مواعظِ اختر نمبر ۸۰

جسے چاہیے ملکِ عشقِ حقیقی
کسی اہلِ دل سے وہ دل کو لگائے

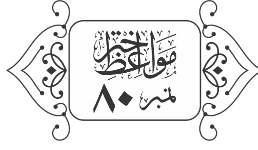
وہ غم جس پہ قرباں ہوں دونوں عالم
وہی چاہتا ہوں وہی ہاتھ آئے
(اختر)

عظیمِ الشان منزل
کا
عظیمِ الشان رہبر



شیخ العرب والعجم
عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com



عظیم الشان منزل کا عظیم الشان رہبر

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
اِدارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی
www.hazratmeersahib.com

بہ فیضِ صحبتِ ابرارؔ یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہے تیرے نازوں کے

بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اِس کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنہ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: عظیم الشان منزل کا عظیم الشان رہبر

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج المِلّت والدِّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخِ وعظ: ۹ رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۹۲ء بعد مغرب، مدرسہ بیت العلوم؛ ۱۳ جنوری بعد فجر مسجد پھولپور؛ ۱۴ جنوری بعد عصر طلباء کو نصیحتیں

مقام: مسجد و مدرسہ بیت العلوم، پھولپور، ضلع اعظم گڑھ (ہندوستان)

موضوع: صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت، اہل اللہ کے ساتھ حسنِ رفاقت سالکین کے لئے اہم ہدایات، بیتے ایام کی یادیں

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب دامت برکاتہم خادمِ خاص و خلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت اوّل: محرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اختریہ

بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی



فہرست

عنوانات **صفحہ نمبر**

عرضِ مرتب

پیشِ نظر وعظ مرشدی ومولائی حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۹۹۲ء کے سفر پھولپور کے تین بیانات کا مجموعہ ہے، جن میں آپ نے مسجد پھولپور اور مدرسہ بیت العلوم کے حالات بیان فرمائے اور حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور دیگر اعزاء واپنے ہمسفر احباب کو اپنے سونے، بیٹھنے، کپڑے دھونے، پانی بھرنے وغیرہ کی جگہیں دکھاتے ہوئے قیمتی باتیں ارشاد فرمائیں۔ حضرت والا تقریباً تیس سال بعد اپنے شیخ کے شہر میں حاضر ہوئے تھے جہاں آپ نے اپنی جوانی کو ایک بوڑھے اللہ والے کی خدمت میں قربان کیا تھا، وہ تمام حالات وواقعات آپ کو یاد آرہے تھے جو اپنے شیخ کی معیت میں یہاں گذرے تھے۔ دس روزہ قیامِ پھولپور کے تمام ہی بیانات میں حضرت والا پر عجیب کیف وسرور اور درد کی کیفیت طاری رہی جو اِن بیانات کو سننے اور پڑھنے والے محسوس کرتے ہیں۔ ان بیانات میں حضرت والا نے بڑے درد بھرے دل کے ساتھ سامعین کو صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ اختر کو جو کچھ ملا ہے وہ شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے میں ملا ہے۔ بیان کے دوران حضرت والا کے استاذِ محترم بھی موجود تھے اور بعض ایسے بوڑھے بھی تھے جنہوں نے حضرت والا کا شیخ کی خدمت کا زمانہ دیکھا تھا، سب ہی اشک بار تھے اور پھولپور کے اس عظیم فرزند کی دینی خدمات اور پرسوز بیان پر مسرور بھی، جس کی خوشی ان کے چہروں اور آنکھوں سے ظاہر تھی لیکن خود حضرت والا پر انکساری اور تواضع کی ایسی کیفیت طاری تھی کہ بار بار خود کو ادنیٰ طالب علم، عبدِ حقیر اور جوتیوں کی خاک جیسے الفاظ سے پکار رہے تھے کہ یہ سب میرے شیخ کا فیض ہے ورنہ اختر خاک ہے جس پر شیخ پھولپوری کے مہرِ تاباں کی کرنیں پڑیں تو وہ چمک گئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے دردِ دل کی قدر کی توفیق عطا فرمائے، اس وعظ کو اور تمام مواعظ کو قبول فرمائے اور واعظ اور جملہ معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔ جامع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عظیم الشان منزل کا عظیم الشان رہبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (سورۃ التوبۃ: آیۃ ۱۱۹)

وَقَالَ تَعَالٰی وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (سورۃ النساء: آیۃ ۶۹) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَّنْ یُّخَالِلُ (مشکوٰۃ المصابیح: ص ۴۲۶)

استاذِ محترم حضرت مولانا عبد القیوم بکھراوی صاحب دامت برکاتہم اور جملہ اساتذہ کرام، جملہ طلباء کرام!

حضرت والا دامت برکاتہم کی حصولِ علم کے وقت کی نیت

آج مجھے بہت خوشی محسوس ہورہی ہے کہ میں نے اس مدرسے میں میزان سے لے کر آخر تک درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی اور زیادہ کتابیں میں نے حضرت الاستاذ بکھراوی دامت برکاتہم سے پڑھیں، بخاری شریف تک دورہ ہمارے زمانے میں تھا۔ جب میں بیت العلوم میں پڑھنے آیا تو بہت سے بڑے مدارس کے طلباء نے مجھ سے کہا کہ تم گمنام جگہ کہاں پڑھنے جارہے ہو؟ میں نے کہا مجھے گمنام مدرسے ہی میں پڑھنا ہے، کیونکہ میرا مقصود مدرسہ نہیں ہے، میں اپنے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحِ نفس اور تزکیۂ نفس کی نیت سے آیا ہوں، ان کے طفیل میں جو علم مجھے حاصل ہوجائے گا میں اسی پر قناعت کروں گا کیونکہ میرے نزدیک عالم، حافظ، قاری ہونا یہ فرضِ کفایہ ہے لیکن اپنی اصلاح کرانا، تقویٰ اختیار کرنا، اللہ والا بننا، خدا کے خوف سے ہر وقت لرزاں وترساں رہنا اور گناہوں سے اپنی زندگی کو خدا کے غضب وقہر میں

ملوث نہ کرنا، یہ فرضِ عین ہے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے اور طفیل میں، میں اللہ کی محبت سیکھنے جارہا ہوں اور درجہ اوّلی میرے نزدیک یہ ہے، درجہ ثانوی یہ ہے کہ حضرت کا مدرسہ بھی ہے، وہاں پڑھوں گا اور علمِ دین بھی حاصل کروں گا اور اپنی اصلاح بھی کراؤں گا۔

اس زمانے کے حالات یہ تھے کہ مدرسے میں انتہائی افلاس تھا، ناشتہ مدرسے میں نہیں ملتا تھا اور ہم لوگ چار، کبھی آٹھ سبق پڑھتے تھے، اب آپ سمجھئے کہ صبح سے بارہ بجے تک خالی پیٹ کتنا مجاہدہ رہا ہوگا؟ بارہ بجے تک معدہ گرم ہوجاتا تھا اور دماغ بھی گرم ہوتا تھا، بھوک سے معدہ گرم اور چار چار موٹی موٹی کتابیں پڑھنے سے دماغ گرم؛ اسبابِ گرمی الگ الگ تھے، معدے کا سببِ گرمی بھوک تھی اور دماغ کی گرمی کا سبب کتابیں پڑھنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے علم کی مٹھاس، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کے صدقے میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اساتذہ کا ادب ان چیزوں نے مل کر میری زندگی کو لذیذ کر رکھا تھا، مجھے کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ یہاں کیا مجاہدہ ہے؟

سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا سلطنت قربان کرنا

حضرت سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب سلطنت بلخ چھوڑ کر دس سال غارِ نیشا پور، دریائے دجلہ کے کنارے عبادت کی تو دعا کرانے ایک مولوی صاحب پہنچے اور کہنے لگے حضرت! میرے لئے دعا کردو کہ میں مالدار بن جاؤں تو حضرت رونے لگے اور فرمایا کہ آپ کو فقیری مفت میں ہاتھ آئی ہے اس لئے آپ کو اس کی قدر نہیں ہے اور آپ مالداری کی دعا کروا رہے ہو اور میں نے سلطنت کے بدلے میں خریدی ہے۔ سلطان ابراہیم ابن ادھم نے اللہ کی محبت میں شاہی اور شہزادگی دونوں کو فدا کردیا اور بادشاہت کو ترک کر کے فقیری اختیار کرلی، آہ! جس وقت سلطان ابراہیم ابن ادھم نے آدھی رات کو اپنی شاہی کو فقیری میں

تبدیل کیا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کا نقشہ کھینچتے ہیں، کیا پیارا انداز ہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ جب ایک بادشاہِ بلخ، سلطانِ بلخ گدڑی پہن رہا تھا اور شاہی لباس اتار رہا تھا، اس نقشہ کو حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا کہ ؎

شاہی و شہزادگی در باختہ

از پئے تو در غریبی ساختہ

اے خدا! سلطان ابراہیم بن ادھم آپ کی محبت میں شاہی و شہزادگی اور سلطنت کو ہار گیا اور آپ کے لئے فقیری اختیار کر لی۔ در باختن معنی ہار جانا ؎

محبت کی بازی وہ بازی ہے دانشؔ

کہ خود ہار جانے کو جی چاہتا ہے

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعۂ جذب

یہاں پر ایک واقعہ یاد آیا! حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پہلے درویش نہیں تھے، صاحبِ نسبت نہیں تھے، ان کا پیٹ کا پیشہ پہلوانی تھا، دو چار کشتی لڑ لی اور انعام وظیفہ کھاتے رہے۔ ایک مرتبہ خلیفہ نے بغداد میں جب ان کی کشتی کا اعلان کیا تو ایک سید، بڈھا، آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نکلا اور اس نے کہا کہ میں جنید سے لڑوں گا۔ سب نے اس کو دیکھا کہ اتنا کمزور آدمی کیسے مشہور طاقتور پہلوان سے لڑے گا؟ لیکن بین الاقوامی اصول ہے کہ جب ایک شخص مقابلہ کے لئے خود کو پیش کرتا ہے تو اس کی بات ماننی پڑتی ہے لہٰذا سلطان مجبور تھا کہ اُس کو اِس کا موقع دے۔ جب جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسا تگڑا پہلوان کشتی کے اکھاڑے میں اترا اور یہ کمزور لرزہ براندام سید صاحب بھی اترے تو انہوں نے جنید بغدادی کے کان میں ایک بات کہہ دی کہ آپ مومن ہیں اور میں سید ہوں، میرے گھر میں آج کل فاقہ ہو رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد فاقے سے ہے، ایک زمانے سے کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، اگر آج آپ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں

یہ کشتی ہار جائیں اور جیتنے کا وظیفہ مجھے دلوا دیں تو آلِ رسول کے پیٹ کا انتظام ہو جائے گا اور دو جہاں کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے خوش ہو جائیں گے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا سبحان اللہ! آج ہے موقع اس کا کہ ؂

محبت کی بازی وہ بازی ہے دانشؔ

کہ خود ہار جانے کو جی چاہتا ہے

اپنے دل میں کہا کہ آج موقع اچھا ہے کہ میں سرورِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانِ پاکِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرلوں اور آپ کی محبت میں ہار جاؤں۔ بس محبتِ رسول کا جوش اٹھا، دو چار ہاتھ اِدھر اُدھر دکھائے کہ خلیفہ بغداد یہ نہ سوچے کہ آپس میں نورا کشتی ملی بھگت تھی، دکھانے کے لئے زور لگایا، دانت پیسے اور خاموشی سے گر گئے اور وہ کمزور رعشہ بر اندام سید صاحب ان کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے، تالیاں بج گئیں، جنید کی عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر فدا ہوگئی اور جیتنے کی ساری آمدنی ایک آلِ رسول کو ملی اور اس کے گھر کا فاقہ ختم ہوا، اسی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اے جنید! تو نے میری محبت میں اپنی عزت کو بیچا ہے۔ آج سے تیرا نام اولیاء اللہ کے رجسٹر میں درج کرلیا گیا، میری اولاد کی محبت دراصل میری محبت تھی۔

اہل اللہ سے محبت کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت میں لکھتے ہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کسی کے بچے سے محبت کرتا ہے، دراصل باپ اس کو اپنے کھاتے میں لکھتا ہے، جو اولیاء اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت میں درج فرماتے ہیں، جو محبت لِلْحَقِّ ہوتی ہے وہ بِالْحَقِّ ہوتی ہے، جو لِلّٰہِ ہوتی ہے وہ بِاللّٰہِ ہوتی ہے یعنی جس طرح ابّا اپنی اولاد کی محبت کو اپنی محبت میں درج کرتا ہے ربّا بھی اپنے اولیاء اور دوستوں کی

محبت کو اپنی محبت میں شمار فرماتے ہیں، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سید کی محبت کو اپنی محبت میں شامل فرما کر بشارت دی کہ اے جنید! آج سے تم ولی اللہ ہو، اولیاء اللہ کے رجسٹر میں تم قبول کر لئے گئے، جس کو خدا اپنا ولی بنانا چاہتا ہے اس کے لئے ایسے ہی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں ۔

سن لے اے دوست! جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

یہ واقعہ تو درمیان میں یاد آ گیا، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سلطنت کو آدھی رات میں خیر باد کہہ رہے تھے، جس کو مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی مولانا روم میں فرماتے ہیں ۔

نیم شب دلقے بپوشید و برفت
از میانِ مملکت بگریخت تفت

آدھی رات کو گدڑی پہنی اور مملکت کے درمیان سے نکل گئے، حدودِ سلطنت سے نکل گئے تاکہ کوئی بے وقوف مجھے دوبارہ سلطنت کے حوالے نہ کر دے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

چھڑا کر جان اپنی بے طرح مجذوبؔ بھاگا ہے
خدا ہی ہے جو پھر وہ لوٹ کر گھر بار میں آئے

مفت میں ملنے والی نعمت کی اکثر قدر نہیں ہوتی

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب اس مولوی نے حضرت ابراہیم بن ادھم سے کہا کہ میرے امیر ہونے کے لئے دعا کر دیجئے کہ میں رئیس مالدار ہو جاؤں تو سلطان ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے کہ میں نے یہ فقیری سلطنت کے بدلے میں لی ہے، جس سکون سے اب میں اللہ کا نام لے رہا ہوں وہ تختِ سلطنت پر لینا مشکل تھا، خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دل نشیں ہوتی
وہاں بستے جہاں دُودِ فغاں کا آسماں ہوتا
وہاں رہتے جہاں خاکسترِ دل کی زمیں ہوتی
دکھاتے پھر تماشا تم کو ہم اپنے تڑپنے کا
جو عالم بے فلک ہوتا جو دنیا بے زمیں ہوتی

اور فرمایا کہ جو شخص چٹائی اور بوریئے پر اللہ کا نام محبت سے لیتا ہے اس کا وہ بوریا سلاطین کے تخت و تاج سے بہتر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی تخت کی شان

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اُڑا جا رہا تھا، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((حَوْلَهٗ سِتُّ مِائَةِ اَلْفِ كُرْسِيٍّ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ فِضَّةٍ وَّ تُظِلُّهُ الطَّيْرُ بِاَجْنِحَتِهَا))

(روح المعانی: (رشیدیہ)، سورۃ النمل، ج ۱۹ ص ۲۳۰)

اس تخت پر چھ لاکھ کرسیاں تھیں، جن پر اس وقت کے انبیاء علیہم السلام اور آپ کے صحابہ بیٹھتے تھے، سایہ پرندوں کے پروں کا ہوتا تھا۔ صبح سفر کرتے تھے ایک مہینے کی مسافت اور شام کو سفر کرتے تھے ایک مہینے کی مسافت، اس طرح وہ تخت دو مہینے کی مسافت ایک دن میں طے کرتا تھا جو قرآنِ پاک میں آیا ہے:

﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾

(سورۃ سبا: آیۃ ۱۲)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں کہ آپ بیت المقدس سے اشراق پڑھ کر چلتے تھے، اصطخر میں کچھ آرام، قیلولہ فرماتے تھے، پھر شام کو وہاں سے روانہ ہو کر کابل میں رات گذارتے تھے: (روح المعانی: ج ۲۲ ص ۳۹۸؛ تفسیر المظہری: ج ۶ ص ۱۰)۔ تو اس تختِ شاہی کو ہواؤں پر چلتا ہوا دیکھ کر ایک شخص نے کہا:

((سُبْحَانَ اللّٰہِ لَقَدْ اُوْتِیَ اٰلُ دَاوٗدَ مُلْکًا))

(روح المعانی:(رشیدیہ)،سورۃ النمل، ج ۱۹ ص ۲۳۰)

پاک ہے وہ اللہ جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیسی حکومت اور کیسا ملکِ عظیم دیا ہے۔اس کا یہ جملہ تختِ سلیمانی سے گذرا اور اس کے ساتھ ایک روشنی تخت سے آگے نکل گئی، آپ نے اس شخص کو بلایا اور پوچھا اے شخص! تو نے کیوں سبحان اللہ پڑھا؟ اس نے کہا مجھے آپ کا تخت دیکھ کر تعجب ہوا کہ کیا شان آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ تخت ہواؤں میں اُڑا جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا:

((لَتَسْبِیْحَۃٌ وَّاحِدَۃٌ یَّقْبَلُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرٌ مِّمَّا اُوْتِیَ اٰلُ دَاوٗدَ))

(روح المعانی:(رشیدیہ)،سورۃ النمل، ج ۱۹ ص ۲۳۰)

اے شخص! تیرا ایک بار سبحان اللہ کہنا میری سلطنتِ سلیمانی سے افضل ہے ؎

رنگِ تقویٰ رنگِ طاعت رنگِ دیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

سب چیزیں فانی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا نام اور عبادت کا رنگ قیامت تک اللہ والوں پر قائم رہے گا، سب کے رنگ فق ہونے والے ہیں، سب پر بڑھاپا آنے والا ہے، صورت پرستی سے بہت دور رہنا، ایک دن جوانی کے کالے بال سفید ہونے والے ہیں، جغرافیے بدلنے والے ہیں ؎

کمر جھک کے مثلِ کمانی ہوئی
کوئی نانا ہوا کوئی نانی ہوئی

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین صحبت سے پھیلا ہے

تو بات اس پر چل رہی تھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کا دین بھی ان کے نائبین کی صحبت سے چلایا ہے، جج اکبرالٰہ آبادی مرحوم فرماتے تھے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تفسیر ہورہی ہے، صحابہ کا نام ہی بتا تا ہے کہ دین صحبت سے پھیلا ہے، صحابی کا نام اورلغت قیامت تک کے لئے دلالت کرتی ہے کہ نبیوں کا دین بھی صحبت سے چلا ہے۔اونٹ چرانے والا ایک شخص، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہٗ ایک نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر آپ کی صحبت سے جس ایمان اور یقین پر پہنچتے تھے اس ایمان اور یقین کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نہیں پا سکتے۔ بڑے پیر صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! ایک صحابی کے جہاد کے گھوڑے کی ادنیٰ سی خاک بھی مجھ سے افضل ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دس لاکھ ملین پاور کا بلب کوئی دیکھ لے تو چالیس پاور کے بلب اس کو نظر بھی نہیں آئیں گے، اس لئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آفتابِ نبوت دیکھ لیتا تھا اس کا ایمان اور یقین اسی وقت قلب میں اس مقام پر پہنچتا تھا کہ سارے اولیاء اللہ اس مقام پر نہیں پہنچ سکتے کیونکہ ایک چیز ہے کمیت اور ایک ہے کیفیت۔ ہمارے زمانے میں لائبریریاں بڑھ گئیں، کتب خانے بڑھ گئے، علم کی کمیت بڑھ گئی، مقادیرِ علوم بڑھ گئے لیکن کیفیت میں کمی آ گئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دس دس لاکھ کی لائبریریوں میں کتابیں پڑھ رہے ہیں اور سگریٹ کے کش چل رہے ہیں، نہ نماز ہے، نہ روزہ ؎

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
پھر اس کی کیا خوشی ہو کوئی جنٹ کوئی جج ہے

اور ؎

نہیں سیکھا انہوں نے دین رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیا اور ادب کا عالی مقام

مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی اب رحمۃ اللہ علیہ ہو گئے، ایک مرتبہ لکھنو میں ندوہ پہنچے اور علمائے ندوہ سے ارشاد فرمایا کہ اے علمائے ندوہ! یہ بتاؤ کہ بری نظر لگ جاتی ہے یا نہیں؟ اسلام نے بری نظر لگنے کو قبول کیا ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَیْنُ حَقٌّ))

(صحیح البخاری:(قدیمی)؛ کتاب الطب؛ ج ۲ ص ۸۵۴)

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا تھا:

((اِنَّ وُلْدَ جَعْفَرٍ یُّسْرِعُ اِلَیْهِمُ الْعَیْنُ اَفَاَسْتَرْقِیْ لَهُمْ؟ قَالَ نَعَمْ))

(مشکوٰۃ المصابیح:(قدیمی)؛ کتاب الطب و الرقی؛ ص ۳۹۰)

یہ جعفر کی اولاد ہے، ان کو نظر لگ جاتی ہے، غایتِ حیا سے اپنی اولاد کی اپنی طرف نسبت نہیں کی کہ یہ ہمارے بچے ہیں ان کو نظر لگ جاتی ہے، صحابیات کا حیا کا وہ عالم تھا! ایک صحابی گوشت کھا کر حاضر ہوتے ہیں، یوں نہیں کہتے کہ آج کل مجھے کچھ شہوت کا غلبہ ہو گیا ہے بلکہ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

((اِذَا اَکَلْتُ مِنْ هٰذَا اللَّحْمِ انْتَشَرْتُ وَاِنِّیْ حَرَّمْتُ عَلَیَّ اللَّحْمَ))

(فتح الباری:(دار الکتب العلمیۃ)؛ کتاب التفسیر؛ ج ۹ ص ۲۳۵)

جب میں گوشت کھاتا ہوں تو انتشار میں مبتلا ہو جاتا ہوں، ذرا بتائیے! انتشار کہاں ہوتا ہے؟ قوتِ باہ کا انتشار عضوِ خاص میں ہوتا ہے لیکن غایتِ حیا سے اس صحابی نے مجازِ مرسل استعمال کیا تَسْمِیَةُ الْجُزْءِ بِاسْمِ الْکُلِّ کر کے، انہوں نے اپنے مجازِ مرسل کی بلاغت پیش کی کہ میں اپنے کو منتشر پاتا ہوں اِنْتَشَرْتُ ہمیں سر سے پیر تک انتشار ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہا کہ میرے عضو میں انتشار ہو جاتا ہے، یہ غایتِ ادب، غایتِ حیا اور غایتِ فہم کی بات ہے۔

اللہ والوں کی نظر کی کیمیا تاثیر

تو حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے ندوہ سے فرمایا کہ جب اسلام نے بری نظر کو تسلیم کرلیا تو اللہ والوں کی اچھی نظر کیوں نہیں تسلیم کرتے ہو؟ کیوں صاحب! بری نظر کے اثرات سے درخت خشک ہوجائے، بھینس کو نظر لگ گئی تو دودھ کم ہوگیا، آدمی کو جوانی میں نظر لگ گئی تو وہ بیمار اور کمزور ہوگیا، ساری دنیا تو بری نظر لگ جانے کو تسلیم کرے پھر کیا اللہ تعالیٰ اللہ والوں کی اچھی نظر میں تاثیر نہیں رکھ سکتے؟ لہٰذا ملا علی قاری محدثِ عظیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بری نظر لگ سکتی ہے:

((فَکَیْفَ نَظَرُ الْعَارِفِیْنَ الْوَاصِلِیْنَ فَاِنَّہٗ یَجْعَلُ الْکَافِرَ مُؤْمِنًا وَّالْفَاسِقَ صَالِحًا وَّ الْجَاہِلَ عَالِمًا وَّ الْکَلْبَ اِنْسَانًا))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، کتاب الطب والرقی، ج ۸ ص ۳۴۸)

تو اللہ والوں کی نظر کا کیا حال ہوگا جو کافر کو مومن کرتی ہے، جاہل کو عالم بناتی ہے، گنہگاروں کو ولی کرتی ہے اور کتے کو انسان بنادیتی ہے، وہی اصحابِ کہف کا کتا جو جنت میں جائے گا:

((اِسْمُہٗ قِطْمِیْرٌ وَّرُوِیَ اَنَّہٗ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ، عَشَرَۃٌ مِّنَ الْحَیَوَانَاتِ تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ نَاقَۃُ صَالِحٍ وَّ عِجْلُ اِبْرٰہِیْمَ وَ کَبْشُ اِسْمٰعِیْلَ وَ بَقَرَۃُ مُوْسٰی وَ حُوْتُ یُوْنُسَ وَ حِمَارُ عُزَیْرٍ وَّ نَمْلَۃُ سُلَیْمَانَ وَ ھُدْھُدُ بِلْقِیْسَ وَ کَلْبُ اَصْحَابِ کَھْفٍ وَّ نَاقَۃُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ))

(تفسیر روح البیان: سورۃ الکہف، ج ۵ ص ۲۲۶)

مفسرین فرماتے ہیں اس کا نام قطمیر ہے۔ آج اس کتے کے نام پر اُتنی ہی نیکیاں مل رہی ہیں جو پورے قرآن پر مل رہی ہیں، قرآن میں جہاں کَلْبُھُمْ آتا ہے اس کاف، لام، با پر بھی تیس نیکیاں مل رہی ہیں۔ واہ رے کتا! بازی لے گیا، یہ صحبت کا اثر ہے، اللہ والوں کی اس پر نظر پڑ گئی۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر موضح القرآن کے مصنف جنہوں نے چودہ سال میں یہ تفسیر لکھی ہے اور جس پتھر پر ٹیک لگا کر لکھتے تھے اس پر گڑھا پڑ گیا تھا، ایک دن دہلی کی مسجد فتح پوری سے حالتِ جذب میں باہر تشریف لائے، کئی گھنٹے عبادت کی تھی، تلاوت کی تھی، ذکر اللہ کیا تھا، یہاں تک کہ ان کے قلب کا نور چھلک کر ان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا، یہ ہے **سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ** جس کی تفسیر شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے یہاں قیام کے زمانے میں فرمائی تھی کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انوار راتوں کی عبادت سے پیمانۂ قلب سے بھر کر چھلکــــــ جاتے تھے تو چہروں سے بھی ظاہر ہوتا تھا اور آنکھوں سے بھی جھلکتے تھے، پھر جب میں نے روح المعانی دیکھی تو معلوم ہوا کہ میرے شیخ نے بعینہٖ وہی بات فرمائی تھی جو مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھی ہے حالانکہ حضرت نے روح المعانی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

شاعر بزرگ حضرت پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

جو آ سکتا نہیں وہم و گماں میں
اسے کیا پا سکیں لفظ و معانی
کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے
مجھے خود کردیا روح المعانی

تو حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا وہ اب تفسیر روح المعانی کی عبارت میں سنئے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **سِيۡمَا** کیا چیز ہے؟

((هُوَ نُوۡرٌ يَّظۡهَرُ عَلٰى وُجُوۡهِ الۡعَابِدِيۡنَ يَبۡدُوۡ مِنۡ بَاطِنِهِمۡ اِلٰى ظَاهِرِهِمۡ))

(روح المعانی: (رشیدیہ) ،سورۃ الفتح، ج۲۶ ص۳۸۸)

یہ ایک نور ہے جو عبادت گزاروں پر اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے، مگر یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے؟ ان کے قلب کے پیمانے سے چھلک کر ان کے ظاہر پر، ان کے چہرہ پر نمایاں ہوجاتا ہے۔

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کا اثر

تو دیکھئے شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد فتح پوری سے آٹھ دس گھنٹے عبادت کر کے جب نکلے تو ان کی آنکھوں میں اللہ کی محبت کے آنسو تھے ؎

تابِ نظر نہیں تھی کسی شیخ و شاب میں
ان کی جھلک بھی تھی مری چشمِ پُر آب میں

شاعر کہتا ہے کہ جو آنسو اللہ کے لئے نکلتے ہیں ان آنسوؤں میں اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات بھی ہوتی ہیں۔ تو اچانک شاہ صاحب کی نظر اس کتے پر پڑ گئی جو مسجد فتح پوری کے دروازے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس قصے کے راوی حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اور حکیم الامت مجدد الملت رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، راوی بھی کیسے ہیں؟ اکابر اولیاء اللہ ہیں اگر یہ لوگ بھی جھوٹ بول سکتے ہیں تو میرے خیال میں پھر دنیا میں سچ کا بیج بھی نظر نہیں آئے گا۔ حکیم الامت، ملفوظات حسن العزیز میں فرماتے ہیں، میں نے خود پڑھا ہے کہ جیسے ہی نظر اس کتے پر پڑی اس کے اندر ایک عجیب کشش پیدا ہوئی کہ دلی میں جہاں بھی وہ جاتا تھا تو سارے کتے اس کے سامنے باادب بیٹھتے تھے جبکہ کتوں کا مزاج ہی دوسرا ہے، مجال نہیں ہے کہ وہ دوسرے محلے کے کتے کو برداشت کر سکیں، جب تک وہ شکست خوردہ علامت یعنی اپنی دُم دونوں ٹانگوں کے بیچ میں نہ دبا لے، اپنی شکست خوردگی کا اقرار و اظہار نہ کر دے، اور اعظم گڑھ کی دیہات کی بولی میں دانت بھی چِیار دے تو پھر کتے اس کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن اس اللہ والے کی ایک نظر کا اس کتے پر یہ اثر ہوا کہ تمام کتے اس کے سامنے ادب سے بیٹھتے تھے۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ ہائے ظالم شیخ الکلاب ہو گیا، کتوں کا شیخ بن گیا، پھر فرمایا کہ آہ! جن کی نگاہوں سے جانور بھی محروم نہیں رہتے ان کی نگاہوں سے انسان کیسے محروم رہ سکتے ہیں؟

اللہ والوں کی صحبت میں کتنا رہے؟

اب دیکھئے میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تفسیر کررہا ہوں، پہلے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عرض کرتا ہوں تاکہ اہلِ علم حضرات کو معلوم ہوجائے کہ اختر محض مسائلِ تصوف کو بغیر استنادِ قرآن اور احادیث کے نہیں بیان کررہا ہے۔ تفسیر روح المعانی کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا میں عربی زبان کی سب سے بڑی تفسیر روح المعانی ہی ہے جس کا کوئی اردو ترجمہ بھی نہیں ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اگر تقویٰ کی زندگی چاہتے ہو، اگر ولی اللہ بننا چاہتے ہو تو کسی صاحبِ تقویٰ کی صحبت میں رہو، متقین کی صحبت میں رہو۔ میں صادقین کا ترجمہ متقین کیوں کررہا ہوں؟ قرآنِ پاک نے دوسری جگہ اس کی تفسیر کی ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۷۷)

تو صادق اور متقی دونوں کلّیوں میں نسبت تساوی ہے، ہر متقی صادق ہے اور ہر صادق متقی ہے، تم ان کے ساتھ رہ پڑو۔ اب سوال ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ کتنا رہے؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بھی حل کیا:

((خَالِطُوْهُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَهُمْ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ التوبۃ؛ ج ۱۱ ص ۵۶)

اللہ والوں کے ساتھ اتنا رہو کہ تم انہی جیسے بن جاؤ، اس اللہ والے کے آہ و نالے تمہارے قلب میں جذب ہوجائیں، تمہاری آہ میں ان کی آہ شامل ہوجائے، تمہیں ان کی اشکبار آنکھیں مل جائیں، ان کا تڑپتا ہوا دل مل جائے، جیسا کہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بغیر اللہ کے تمہارا دل چین نہ پائے۔ جس طرح مچھلیاں بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتیں، اسی طرح

تمہارا قلب غفلت کی حالت میں اپنی موت محسوس کرنے لگے اور تمہیں بھی یہ مقام حاصل ہوجائے اپنا جو مقام حضرت نے ان شعروں میں بیان فرمایا۔

ترے بِن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے مجھ کو فقط کام ہے

اللہ والوں کے چین وسکون کا راز

ارے یہ شعر نہیں ہے، یہ تو وعظ ہے وعظ! لیکن اس تڑپنے میں پریشانی نہیں ہوتی، جس کو اپنے دوسرے شعر میں حل فرمایا کہ۔

لطف جنت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو
وہ کسی کا ہو تو ہو لیکن ترا بسمل نہیں

اللہ والے جو خدا کی یاد میں بے چین ہوتے ہیں، اس میں کروڑ ہا چین کی بارش ہوتی ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لا تخافوا ہست نزلِ خائفاں
ہست در خور از برائے خائفِ آں

لَا تَخَافُوْا جو ہے، مت ڈرو، یہ خائفین ہی کو ملتا ہے، اللہ کے خوف میں بے شمار امن وسکون پنہاں ہیں، اور فرمایا۔

درج در خوفے ہزاراں ایمنی
در سوادِ چشم چندیں روشنی

جس کو خدا کا خوف عطا ہوا، اس کو ساری دنیا کے امن وسکون کی بارش کی بارش مل گئی ۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید کوئی سر پھرا اور معترض مجھ پر اعتراض کرے گا کہ اللہ کے خوف میں کیسے امن وسکون ملے گا کیونکہ خوف اور امن میں تو تضاد ہے اور اجتماعِ ضدین محال ہے، تو فرماتے ہیں اے معترض!

سن لے، جس اللہ نے تیری آنکھ کی کالی پتلی میں، سیاہی کے اندھیرے میں روشنی کا خزانہ رکھا ہے، نور کا خزانہ کالی پتلی میں رکھا ہے تو تُو بتا کالی پتلی میں اور نور میں تضاد ہے یا نہیں؟ تو اے شک اور اعتراض کی نظر سے دیکھنے والے! تیری اس نظرِ معترض کے اندر ہی میرے دعوے کی دلیل موجود ہے کہ خدا نے تیری کالی پتلی میں روشنی کا خزانہ رکھ دیا، جو اللہ تیری کالی پتلی میں روشنی کا خزانہ رکھ سکتا ہے، اس کی شان ایسی ہے کہ وہی اللہ اپنے خوف میں ہزاروں امن اور ہزاروں سکون بھی رکھ سکتا ہے۔

صدمہ وغم میں اولیاء اللہ کے تبسم کی مثال

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

ترے غم کی جو مجھ کو دولت ملے
غمِ دو جہاں سے فراغت ملے

اے خدا! آپ کی محبت کا ایک ذرۂ غم جس کو نصیب ہوا ہے، وہ دونوں جہان کے غموں سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کو کوئی غم نہیں ہوتا، وہ غموں میں بھی بے غم رہتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ اگر واٹر پروف گھڑی بنا سکتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے عاشقوں کے قلب کو غم پروف بھی کر سکتا ہے۔ مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا ؎

زندگی پُر کیف پائی گرچہ دل پُر غم رہا
ان کے غم کے فیض سے میں غم میں بھی بے غم رہا

دیکھئے! سوئٹزرلینڈ کی گھڑی پانی میں ڈال دو، دائیں بائیں اوپر نیچے پانی ہو لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی اس میں نہیں جاتا، تو جب یہ کمال سوئٹزرلینڈ کو حاصل ہے تو کیا اللہ تعالیٰ جو خالقِ سوئٹزرلینڈ اور خالقِ سائنس اور سائنس دان ہے، وہ اپنے عاشقوں کے قلب کو یہ نعمت نہیں عطا فرما سکتے کہ وہ غموں میں بھی تسلیم ورضا کی

برکت سے مسکرادیں؟ ارے اللہ کی تو ایسی قدرت ہے کہ اپنے عاشقوں کے لئے آگ کو گلعذار بنادیتا ہے، اور میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو ؎

عجیب جامع الاضداد ہیں ترے عاشق
خوشی میں روتے ہیں اور غم میں مسکراتے ہیں
رضائے دوست کی خاطر یہ حوصلے ان کے
ہنسی لبوں پہ ہے گو دل پہ زخم کھاتے ہیں

یہ میرے شعر ہیں جو آپ سے خطاب کررہا ہے جبکہ میرا شاعری میں کوئی استاد بھی نہیں ہے، بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ کا استاد کون ہے؟ میں نے کہا میرا کوئی استاد نہیں ہے ؎

مجھ کو تمہارے درد نے شاعر بنا دیا

لہٰذا شعر سنئے کہ اے خدا ؎

عجیب جامع الاضداد ہیں ترے عاشق
خوشی میں روتے ہیں اور غم میں مسکراتے ہیں

تب ایک صاحب نے کہا کیسے؟ کوئی مثال دیجئے، میں نے کہا مثال بھی سن لو۔ کلیاں کانٹوں میں گھری ہوتی ہیں یا نہیں؟ لیکن جب نسیمِ سحری ان کو چھولیتی ہے، ایک آدھ تھپیڑ ماردیتی ہے، ذرا سا حرکت دے دیتی ہے، تو کانٹوں کے اندر وہ کِھل جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے اولیاء کے قلب کو غموں کے کانٹوں میں شگفتہ کرنے پر قادر ہیں، اگر ایک مخلوق، نسیمِ سحری میں یہ کمال ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہواؤں کے جھونکوں میں کیا کمال ہوگا؟ اب میرا شعر سنئے، یہ اختر جو آپ سے مخاطب ہے، اسی بیت العلوم کا پڑھا ہوا ہے، یہ اس کا شعر ہے ؎

صدمہ وغم میں مرے دل کے تبسم کی مثال
جیسے غنچہ گھرے خاروں میں چٹک لیتا ہے

اہل اللہ، دلوں پر حکومت کرتے ہیں

یہی کہتا ہوں کہ دونوں جہان کا عیش اگر لینا ہے تو اللہ والے بن جاؤ، جو اللہ کو پا گیا دونوں جہان پا گیا، بلا الیکشن سلطنت پا گیا، یعنی وہ خالقِ سلطنت، خالقِ سلاطین، سلاطین کے تخت وتاج کا مالک کہ جو جب چاہتا ہے بادشاہ کو سلطنت پر بٹھا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے تختہ الٹوا دیتا ہے، بادشاہ صاحب نیچے پڑے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ اللہ والوں کا کوئی تختہ نہیں الٹ سکتا کیونکہ ان کی سلطنت اندر سے ہے، وہ شاہ ہوتے ہیں بادشاہ نہیں ہوتے، ان کو شاہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ باطن سے بادشاہ ہیں، ان کی شاہی باطن سے ہے، دل میں تعلق مع اللہ کی دولت سے ہے ۔

شاہ آں باشد کہ از خود شہ شود
نے ز دولت نے ز لشکر شہ شود

اللہ والوں کی سلطنت دولت اور لشکر اور فوج سے نہیں ہے، اللہ والوں کی سلطنت اللہ کے نام کے صدقے میں ہے، تعلق مع اللہ کی دولت کے صدقے میں ہے جبکہ بادشاہوں کی سلطنت فوج کے رحم وکرم پر اور خزانے کے رحم وکرم پر ہوتی ہے، خزانہ ویران ہوجائے یا فوج باغی ہوجائے تو سب شاہی ختم ہوجاتی ہے۔

ایک اللہ والے سے بادشاہ کے مرید ہونے کا قصہ

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کی شاہی جو ہے اس میں باد لگا ہوا ہے، باد کے معنی ہیں ہوا، ان کی شاہی ہوا پر ہے۔اس پر یہ قصہ بیان کیا کہ ایک بستی کے بادشاہ کا پیٹ پھول آیا اور ریاح بھر گئی، کسی نے کہا کہ اس بستی میں ایک بزرگ ہیں، ان کی جھاڑ پھونک میں بڑا اثر ہے، وہ بادشاہوں کی پھونک بھی نکال سکتے ہیں۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا اور کہا کہ بلاؤ بھئی! کون ہے ایسا ولی اللہ جو میری پھونک نکال دے، یعنی بادشاہ کی ہوا نکال دے

اور میرا پیٹ ہلکا ہو جائے، تکلیف دور ہو جائے۔وہ بزرگ تشریف لائے، انہوں نے الحمد شریف پڑھی، کچھ دعائیں پڑھیں اور دَم کیا، اسی وقت اس کی ہوا خارج ہوگئی اور پیٹ ہلکا ہوگیا، تب اس نے کہا حضرت! آج مجھے معلوم ہوا کہ آپ اتنے کرامت والے ہیں، جلدی سے ہاتھ لائیے اور مجھے بیعت کر لیجیے، اس طرح وہ بادشاہ مرید ہوگیا۔اس پران بزرگ کے حاسدین تو جل کے خاک ہوگئے کہ دیکھو یہ ملّا تو سب سے بڑھ گیا، بادشاہ کو بھی مرید کرلیا۔حسد کی بیماری سے خدا بچائے، بڑی خطرناک ہوتی ہے، آدمی کو اندھا کر دیتی ہے، اس کے تمام کمالات کچھ نظر ہی نہیں آتے، یہ حسد کی آگ ایسی ہے۔ایک دن عید کی نماز اس اللہ والے نے پڑھائی، رکوع میں ان کی ہوا نکل گئی اور وضو ٹوٹ گیا، اب ان حاسدوں نے آپس میں ایک میٹنگ کی کہ چلو! جلدی سے بادشاہ کو بتادو کہ آپ کے پِیر کا یہ حال ہے، جس سے آپ کی ہوا خیزی ہو رہی ہے۔ہوا ریزی تو رکوع میں ہوئی، اب ہوا خیزی آپ کی ہو رہی ہے۔بادشاہ تھا بے وقوف، فوراً کہا کہ مجھے اپنی عزت زیادہ پیاری ہے، مجھے پیری مریدی نہیں چاہیے، میں بیعت توڑتا ہوں۔اب ان حاسدین نے خوب بغلیں بجائیں اور سب نے اس اللہ والے کو خبر دی، وہ سچے مخلص تھے، انہوں نے کہا اے حاسدو! اس بادشاہ کے مرید ہونے سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی اور اس کے بیعت توڑنے سے بھی مجھے کوئی غم نہیں ہے کیونکہ جس کی عقیدت دو گندی ہواؤں کے درمیان میں ہو کہ اس کی گندی ہوا نکلی تو وہ مجھ سے معتقد ہوگیا اور میری نکلی تو اس کا اعتقاد ختم ہوگیا، جس کی عقیدت دو گندی ہواؤں کے درمیان ہو ایسے مریدوں کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

برکت کسے کہتے ہیں؟

ایک لائق مرید اگر مل جاتا ہے تو لاکھوں مریدوں پر بھاری ہوتا ہے۔

شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لائق مرید جلال الدین رومی ملا تھا، مولانا رومی کے ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار مثنوی شریف کے، شیخ کی برکت سے ہوئے، جس کی شرح اختر نے بھی لکھی ہے۔ میں نے کہیں اور فارسی نہیں پڑھی، اسی بیت العلوم میں فارسی پڑھی لیکن میری کتاب مثنوی مولانا روم کی شرح دیکھ کر میرے فارسی کے استاد مولانا سعید صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم نے بیت العلوم کے علاوہ بھی کہیں فارسی پڑھی ہے؟ میں نے کہا حضرت! یہی بیت العلوم میرا سارا سرمایہ ہے، میں نے کہیں اور نہیں پڑھا لیکن بزرگوں کی دعاؤں کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈال دی۔ برکت کے معنی حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر میں فرمائے، اس میں میں بھی موجود تھا کہ برکت کہتے ہیں قلیل کثیر النفع یعنی علم تھوڑا ہے مگر فائدہ زیادہ ہو رہا ہے، یا آمدنی کم ہے لیکن اس میں برکت بہت ہے، اور برکت کی تعریف لغت کے امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

((اَلْبَرَکَۃُ ثُبُوْتُ الْخَیْرِ الْاِلٰھِیِّ فِی الشَّیْءِ وَالْمُبَارَکُ مَا یَفِیْضُ عَلَیْہِ مِنَ الْخَیْرَاتِ الْاِلٰھِیَّۃِ))

(المفردات فی غریب القرآن للامام راغب الاصفہانی: ج ۱ ص ۱۱۹)

برکت کے معنی ہیں فیضانِ رحمتِ الٰہیہ، جس پر اللہ کی رحمت کی بارش ہو جائے، تو بزرگوں کی دعاؤں سے یہ بات ہوگئی۔

کسی اللہ والے سے لَو لگا لو

پھر کہتا ہوں کہ اللہ والا بننے کا نسخہ یہی ہے کہ کسی اللہ والے پر فدا ہو جاؤ، اس کے ساتھ زندگی گذار دو، اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اور اگر مخلص نہیں ہے تو اسی شعر کو ایک آدمی نے یوں بنا دیا، وہ میرے ساتھ ہردوئی کے سفر میں تھا، وہ بھی طبیہ کالج کا تھا، اس نے کہا کہ جناب آپ کا یہ شعر تو سر آنکھوں پر لیکن میرا بھی ایک شعر سن لیجیے ؎

مرغ کھانے کی ہے یہی اک راہ
کھانے والوں سے راہ پیدا کر

جب سے آیا ہوں مرغا ہی مرغا پا رہا ہوں۔ تو کسی اللہ کے عاشق کے ساتھ اپنی زندگی کو منسلک کر کے دیکھو کہ خدا پھر کیا لطف دیتا ہے! اللہ کے عاشقوں میں جینے اور مرنے کی آرزو بہت مبارک ہے ؎

دل چاہتا ہے ایسی جگہ میں رہوں جہاں
جیتا ہو کوئی درد بھرا دل لئے ہوئے

یہ بھی میرا ہی شعر ہے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ دواخانے یا دنیا کے کسی کام میں میرا دل نہیں لگتا، میرا دواخانہ ایک مرتبہ یہاں نیلام ہوا اور ایک مرتبہ وہاں پاکستان میں عزیز آباد میں نیلام ہوا، میں نے خیرات دے دیا ایک غریب کو لیکن میرے رب نے مجھے اس کام کے لئے قبول فرمایا بلکہ مجھے توفیق دی، قبولیت نہیں کہنا چاہیے کیونکہ قبولیت کا علم نہیں لیکن میں امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں، آپ لوگوں سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ قبول فرمالیں، میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ میں نے یہاں جو زمانہ گذارا، اس پر میرے دو شعر ہیں ؎

جفائیں سہہ کر دعائیں دینا یہی تھا مجبور دل کا شیوہ
زمانہ گذرا اسی طرح سے تمہارے در پر دلِ حزیں کا
جو تیری جانب سے خود ہی آئے پیامِ الفت دلِ حزیں کو
تو کیوں نہ زخمِ جگر سے بہہ کر لہو کرے رخ تری زمیں کا

دیکھو! یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں تم نے اپنی تاریخ بیان کر دی اور اس کو وہی

سمجھ سکتا ہے جس نے اُس زمانے میں تمہیں دیکھا ہو۔ آپ کے ان دو جملوں سے مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے، ماشاءاللہ، یہ جملے معمولی نہیں ہیں یعنی ہمارا قلب ان کے ان دو جملوں سے مسرور ہو رہا ہے، سمجھداری کی بات ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان اشعار میں اپنی تاریخِ حیات رکھ دی ہے۔ جو زندگی خدائے تعالیٰ کی راہ میں ویران ہو چکی ہو اور ہر خونِ آرزو پی چکی ہو اور بڑے بڑے مجاہدات جھیلے ہوں، سخت حالات سے گذرا ہو، اس وقت کا میرا یہ شعر سنئے ؎

روئدادِ زندگی کسی خانہ خراب کی
ویرانۂ حیات کی تعمیر کرگئی

یہ خانہ خراب کا لفظ جو ہے دو قسم میں استعمال ہوتا ہے، ذومعنی ہے، ایک تو یہ بددعا ہے جیسے کہتے ہیں کہ تیرا خانہ خراب ہو یعنی تو برباد ہو جائے، اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے عشق میں خانہ خراب ہوا، اللہ کے راستے میں تخریبِ قلب لاکھوں تعمیر کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ اس شعر کو سمجھانے کے لئے مجھے جگر کا شعر سنانا پڑے گا۔ لوگ کہتے ہیں نا کہ خواہشات کا خون کرنا پڑے گا، یہ تو بہت مشکل کام ہے، اب سنئے ؎

یہ صحنِ چمن یہ لالہ وگل ہوتے ہیں جو ویراں ہونے دو
تخریبِ جنوں کے پردے میں تعمیر کے ساماں ہوتے ہیں

یعنی نفس کی بدمعاشیوں کے جتنے لالہ وگل ہیں اور باغ وچمن ہیں، نفس کی خبیث لذات جو اللہ کی ناخوشی کی راہوں سے حرام خوشیاں بن کر آتی ہیں، انہی حرام خوشیوں کی تخریب میں، بربادی میں تعلق مع اللہ کے حامل دل کی تعمیر پوشیدہ ہوتی ہے، اور اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہم نے لیا ہے دردِ دل کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

نمکینوں اور حسینوں سے نظر بچانا پڑے گا تب اللہ تعالیٰ کا اصلی چاند ملے گا، نقلی چاندوں سے جب روگردانی ہوگی تب خالقِ شمس وقمر ملے گا، آسمانی اور زمینی، فلکیاتی اور ارضی دونوں چاند ہیجان انگیز ہیں، آسمان کا چاند جب چودہ تاریخ کا ہوتا ہے سمندر میں طوفان آجاتا ہے، زمین کے چاندوں پر نظر ڈالنے سے دل میں مدوجزر اور انتہائی تلاطم پیدا ہوجاتا ہے۔

اللہ والوں کے قلوب آفتابِ ہدایت ہیں

میں عرض کررہا تھا کہ اللہ والا بننے کا سب سے آسان راستہ یہی ہے کہ کسی اللہ والے سے تعلق کرلو، صحبتِ اہل اللہ کے بارے میں میرے شیخ فرماتے تھے کہ اللہ کا راستہ آسان نہیں ہے، مشکل ہے، نفس سے، سوسائٹی اور معاشرہ سے لڑنا آسان نہیں ہے لیکن فرماتے تھے حکیم اختر! اگر کسی اللہ والے کا ہاتھ، ہاتھ میں آجائے تو نہ یہ کہ اللہ کا راستہ آسان ہوجاتا ہے بلکہ مزیدار بھی ہوجاتا ہے ؎

مجھے سہل ہوگئیں منزلیں کہ ہوا کے رُخ بھی بدل گئے

ترا ہاتھ ہاتھ میں آگیا تو چراغ راہ کے جل گئے

جب آفتاب، ایک ادنیٰ مخلوق میں حیات کا اثر ہے کہ جہاں سورج کی شعاع کا اثر نہ پڑے اس کو کہتے ہیں یہ بیکار زمین ہے، ایسی زمین پر غلہ پیدا نہیں ہوتا تو اللہ والوں کے قلوب بھی آفتاب ہیں، ان کے پاس بیٹھو، ان کی شعاعوں سے تمہیں قلب میں حیات عطا ہوگی۔ اللہ والوں کے دل سورج ہیں جیسے یہ سورج جسمانی غلہ پکا دیتا ہے، حیاتِ انسانی کے وسائل اور غلہ اور رزق کا انتظام اللہ کی طرف سے یہ سورج علیٰ سبیل التولیت کرتا ہے، اسی طرح سے اہل اللہ، اللہ کی طرف سے متولی ہیں اس کے کہ ان کے قلب کا آفتابِ ہدایت جو ہے اس سے اللہ کے طالبین کو حیاتِ قلب اور حیاتِ ایمانی عطا ہوتی ہے۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ

یہ دنیا کی حیات، کھانے پینے کی حیات تو سب ہی کو حاصل ہے کہ ادھر کھایا اور صبح لیٹرین میں جمع کرا دیا، یہ تو کافر کو بھی حاصل ہے بلکہ ہاتھی کا ایکسپورٹ بھی زیادہ ہے امپورٹ بھی زیادہ ہے تو کیا ہاتھی بھی ہم سے بڑھ گیا۔ ارے میاں! ہمارا شرف یہ ہے کہ ہم جو رزق بھی کھائیں وہ خدا پر فدا کر دیں۔ جانور جو رزق کھاتا ہے وہ خدا پر فدا نہیں کرتا مخلوق پر فدا کرتا ہے، وہ ہمارے کام آتا ہے لیکن عبادت نہیں کرسکتا۔ حیوانات کی غذا جو ہے وہ برائے خلق ہے اور برائے خدمتِ خلق ہے اور انسان کی جو غذا ہے برائے خدمتِ خالق ہے۔ یہ ہے انسان کا شرف، اس لئے انسان اشرف المخلوقات ہے کہ کوئی جانور عبادت نہیں کرسکتا، وہ عبادت کرنے والوں کی خدمت کرے، ہمارا ہل جوتے، ہمیں دودھ پلائے اور ہم دودھ پی کر اللہ کے گیت گائیں۔ لیکن آج کل دنیائے انسانیت جو ہے اس نے اپنے کو امپورٹ ایکسپورٹ کا آفس بنا رکھا ہے، درآمد برآمد کا دفتر بنا رکھا ہے جبکہ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے بہت مبارک ہیں وہ بندے جو اللہ کی یاد میں رو رہے ہیں اور بہت مبارک ہیں وہ دل جو خدا کی یاد میں تڑپ رہے ہیں، باقی سب ختم ہونے والا ہے، کچھ نہیں رہے گا، ایک دن چٹیل میدان ہوگا۔ قیامت تو اپنے وقت پر آئے گی ہی لیکن ایک انفرادی قیامت ہے، وہ آتی رہتی ہے، کیسے؟ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی:

((اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، کتاب الموت، ج ۱۵ ص ۲۳۳، رقم الحدیث ۴۲۱۱۶)

جو مر گیا اس کی تو قیامت آ گئی اور جس طرح سے اجتماعی قیامت اس وقت آئے گی جب روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا، اسی طرح سے جو شخص خدا سے غافل ہوگیا اس کے قلب کے شامیانے اجڑ گئے

اوراس کے قلب کے آسمان اورزمین پر زلزلہ آ گیا، اس کے آفتاب اور قمرگر گئے، یہ انفرادی قیامت خدا کے غضب سے آتی ہے۔

اللہ سے ایک لمحہ غافل ہونا موت کے مترادف ہے

ایک بزرگ دوسرے بزرگ کی ملاقات کوجا رہے تھے، دن کے بارہ بجے ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے، پہلے لوگ پیدل ہی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں چلے جایا کرتے تھے، تو اللہ نے انہیں چڑیوں کی بولی سنوادی، اس درخت پر دو چڑیاں آپس میں بات کررہی تھیں کہ جن کے یہاں یہ جارہے ہیں وہ تو مر چکے ہیں، یہ خواہ مخواہ جارہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا چلو! ان کے ورثاء سے تعزیت ہی کرلیں گے، جب وہاں پہنچے تو وہ بزرگ خیریت سے بیٹھے تھے۔ عرض کیا کہ حضرت چڑیاں بھی جھوٹ بولنے لگی ہیں، انہوں نے ہمیں اطلاع دی تھی کہ آپ فوت ہو چکے ہیں، پوچھا کہ کیا وقت تھا؟ بتایا کہ دن کے بارہ بجے ہوں گے۔ فرمایا کہ چڑیوں نے جھوٹ نہیں کہا، میں اس وقت اللہ سے غافل ہوگیا تھا۔

ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

کسی اللہ والے کی خدمت میں اپنی ہستی فنا کردو

تو یہ عرض کررہا ہوں کہ اہل اللہ کی ایک سیکنڈ کی صحبت سو برس کی بے ریا اور اخلاص والی عبادت سے بہتر ہے، سچے دل سے کسی اللہ والے سے انسان تعلق قائم کرلے، پیر نہ بنائے تو اصلاح کا تربیت کا مشیر ہی بنالے۔ پیر بنانا بھی فرض نہیں، کم سے کم مشورہ تو لیتا رہے لیکن حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر بنانے میں مصلحت ہے کہ شیخ کو تعلق زیادہ بڑھ جاتا ہے اور مرید بھی شیخ کو اپنا روحانی باپ سمجھتا ہے، اور اگر خالی مشیر بنایا

تو شیطان بہکا دیتا ہے کہ ارے ہمارے پیر تھوڑے ہی ہیں۔ لہٰذا جب تک پیر حلوہ کھلائے گا تو وہاں رہے گا اور جس دن ایک ڈنڈا مارا اور کہا نالائق! بدنظری کرتا ہے یا ذکر نہیں کرتا تو اسی دن بھاگ جائے گا لیکن بیعت ہونے کے بعد اس کو اپنے شیخ کی عظمت اور اس سے تعلق بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے اصلاح کی کڑوی گولی نگلنا آسان ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب مسٹر تھے، ڈپٹی کلکٹر تھے لیکن اپنے شیخ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ ؎

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہوں
مٹا دیجئے مٹا دیجئے میں مٹنے ہی کو آیا ہوں

حضرت نے فرمایا کہ اچھا۔ بس ایک دن خواجہ صاحب باتیں زیادہ کر رہے تھے، فرمایا خواجہ صاحب! خانقاہ خالی کرو، ڈپٹی کلکٹری آپ کے دماغ میں گھسی ہوئی ہے، جب تک ٹر نہیں نکالو گے، مسٹر کی ٹر جب تک مس نہیں ہوتی وہ اللہ والا نہیں بن سکتا، نکلو یہاں سے۔ خواجہ صاحب نے خانقاہ سے نکل کر میونسپلٹی تھانہ بھون کی جو فٹ پاتھ تھی، اس پر اپنا بستر ڈپٹی کلکٹر کا لگا دیا، کار کھڑی ہے اور چپڑاسی موجود ہے۔ آہ! لوگوں کو ترس آتا تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کتنے سخت ہیں لیکن سخت نہیں تھے، آپریشن کرنا پڑتا ہے، ڈاکٹر کا چاقو ظالم نہیں ہے، وہ مشفق و مہربان ہے جو گردوں کی پتھری نکالتا ہے۔ فوراً خواجہ صاحب کو ایک شعر موزوں ہوا اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کے اندر بھجوا دیا، اسی وقت معافی ہو گئی، کیا شعر لکھا ؎

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں ان کی کہیں میری

واہ، حضرت نے معاف کر دیا اور خلافت سے نوازا، علماء ان سے بیعت ہوئے۔

صحبتِ شیخ میں تسلسل کے ساتھ رہنے کا فائدہ

مگر ایک بات یاد آئی کہ مرغی کے پر میں انڈا اکیس دن تسلسل سے ہو

تب زردی حیات پا جاتی ہے، جب حیات پیدا ہوتی ہے تو پھر بچہ ٹونٹ مار کر خود علائق سے تعلقات توڑ کر آزاد ہو جاتا ہے، پھر وہ زردی کی خوشامد نہیں کرتا، زردی کا تو وجود بھی نہیں ہوتا، مرغی کی بھی خوشامد نہیں کرتا کہ تعلقات سے مجھے نجات دلائے، خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب اللہ کی محبت کا درد پیدا ہوتا ہے ؎

کھینچی جو اک آہ تو زنداں نہیں رہا
مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

تو مرغی کے نیچے انڈا تسلسل سے اکیس دن رکھا جائے، ایسے ہی فرمایا مرشد کی خدمت میں پوری زندگی میں ایک دفعہ چالیس دن تسلسل سے رہ لو تو حیات مل جائے گی، اللہ والی ایمانی حیات، پھر خود ہی اپنا مال چُگ لے گا۔ اسی عیدگاہ میں میرے شیخ نے اوابین پڑھی، چاند نکلا ہوا تھا، میں ہدایۃ النحو پڑھ رہا تھا، حضرت نے اوابین پڑھی اور درخت بہت زیادہ تھے، اب تو درخت نہیں ہیں اس وقت درخت زیادہ تھے، درختوں کے پتوں سے چاند کی روشنی چھن چھن کے زمین پر آرہی تھی، عجیب سہانا منظر تھا، شیخ کے آہ و نالے، ان کی عبادت عجیب انداز کی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کے فرمایا کہ حکیم اختر! میں اسی عیدگاہ میں، اسی محراب میں پیدا ہوا ہوں، میں نے عرض کیا حضرت! آپ یہاں کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ فرمایا ارے تم سمجھو اس کو، حکیم الامت یہیں تشریف لائے تھے، میں یہیں بیعت ہوا تھا، کسی ولی کے ہاتھ پر بیعت ہونا اس کی حیاتِ ایمانی کا آغاز ہوتا ہے، گویا کسی اللہ والے کے ہاتھ پر بیعت ہونا ایک نئی حیات، ایک نئی پیدائش ہے، ایمانی زندگی کی پیدائش ہوتی ہے۔ اس لئے میں میر صاحب سے کہہ رہا ہوں کہ یہ سب چیزیں میرے لئے تاریخ ہیں یا نہیں؟ یہاں کا ہر ذرہ میرے لئے تاریخ ساز ہے۔

اہل اللہ کے ساتھ حسنِ رفاقت پر قرآنی دلیل

دوسری آیت جو خطبہ میں تلاوت کی تھی، وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کہ

انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین یعنی اللہ کے مقبول اور محبوب بندوں کی صحبت اور ان کی رفاقت ہو تو کیسی ہو؟ اس آیت میں اس کی تفصیل ہے جس کو صاحبِ تفسیرِ خازن نے یوں فرمایا ہے:

((وَفِيْهِ مَعْنَى التَّعَجُّبِ كَاَنَّهٗ قَالَ: وَمَا اَحْسَنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا سُمِّيَ رَفِيْقًا لِّارْتِفَاقِكَ بِهٖ وَلِصُحْبَتِهٖ وَ قِيْلَ مَعْنَاهُ وَحَسُنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا))

(تفسیر لباب التاویل لعلاء الدین بن محمد الخازن: سورۃ النساء، ج ۱ ص ۳۹۷)

یہاں حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا معنی میں افعالِ تعجب کے ہے، مَا اَحْسَنَ وَ اَحْسِنْ بِهٖ مَا اَفْعَلَ وَ اَفْعِلْ بِهٖ، یہ دو صیغے افعالِ تعجب کے ہیں، یہ حَسُنَ معنی میں مَا اَحْسَنَ کے ہے، کیا مطلب؟ مَا اَحْسَنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کیا ہی اچھے یہ حضرات رفیق ہیں یعنی جنت میں، لیکن وہ رفاقت فی الآخرۃ، رفاقت فی الدنیا ہی کا ثمرہ ہوگی یعنی جس نے دنیا میں ان پاک بندوں کو اپنا رفیق نہ بنایا ہوگا اس کو وہاں بھی ان حضرات کا ساتھ نصیب نہ ہوگا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ ان حضرات سے حسنِ رفاقت حاصل کرو، کیسے؟ فرمایا اگرچہ یہ آیت جملہ خبریہ ہے لیکن قرآن پاک میں جہاں جملہ خبریہ آتا ہے تو اس میں جملہ انشائیہ بھی پوشیدہ ہوتا ہے یعنی صورتاً خبر ہے اور درحقیقت اس میں انشاء پوشیدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ بڑے اچھے رفیق ہیں، ان کو اپنا رفیق بنالو، یہ ہم فرمارہے ہیں کہ یہ بہت اچھے ساتھی ہیں، تم اپنی سمجھ سے نہ جانے کس بدترین کو اپنا ہمقرین بنالو۔ اگر کوئی شخص یہ خبر دے کہ بھئی آج ہمارے ہاں بہترین شامی کباب تیار ہے تو کیا اس خبر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اِس کان سے سنا اور اُس کان سے نکال دیا، یا اس سے درخواست کروگے کہ بھائی صاحب! کیا ایک آدھے کباب کی میرے لئے بھی گنجائش ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ یہ میرے مقبول اور محبوب بندے بہترین رفیق ہیں لہٰذا ان کو رفیق بنالو۔

بغیر اللہ والوں کی غلامی کے اللہ کا راستہ طے نہیں ہوتا

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنے پند نامے میں جو یہ فرماتے ہیں کہ ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

تو یہ اسی آیت سے انہوں نے لیا ہے، رفیق معنی ساتھی، بغیر رفیق جو اللہ کے عشق کے راستے میں قدم رکھے گا، ساری زندگی کتنے ہی پاپڑ بیلے مگر پاپڑ کھانے کو نہیں ملے گا، مشقت مفت میں رہے گی لیکن صاحبِ نسبت نہیں ہو سکے گا، اللہ کا راستہ طے نہیں ہوگا۔ بعض لوگوں کی قسمت میں اللہ والوں سے بغض وعناد اور ان کی تحقیر کے سبب پاپڑ بیلنا تو لکھا ہوتا ہے یعنی محنت، عبادت خوب کرتے ہیں لیکن ان کو پاپڑ کھانا نصیب نہیں ہوتا، ساری زندگی اللہ کی محبت سے آگاہ نہیں ہوتے اور ناگاہ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ کوئی اچھا خواب دیکھ لیا یا اس کے کچھ چیلے چاپڑے پیدا ہو گئے تو پھر کبر کی سرخ پاپڑی شیطان اس کو کھلا دیتا ہے۔ لہٰذا حضرت نے فرمایا کہ بہت بڑی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن منتقل فرمایا کہ عام بیوقوف اور حمقاء اور بعض خشک ملّا جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ والوں کا کلام ایسے ہی تصوف کی باتیں ہوتی ہیں، حقیقت میں اہلِ ظاہر سمجھتے نہیں ہیں، یہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں قرآن اور حدیث ہی سے کہتے ہیں مگر عوام کی نظریں وہاں تک نہیں پہنچتی ہیں۔ فرمایا کہ یہ دو طبقے جو ہیں، طبقۂ انبیاء کرام علیہم السلام اور طبقۂ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم، ان کی عظمت کو سمجھو، کہیں ان کو بس ایسے ہی تذکرہ نہ کر دینا یا صرف تعریف کر دی کہ سبحان اللہ، صاحب! بہت بزرگ آدمی ہیں۔ خالی تعریفِ اولیاء اللہ اور خالی سبحان اللہ سے تمہارا راستہ نہیں طے ہوگا، ان کو رفیق بنانے سے راستہ طے ہوگا۔

قلب وجاں کے جہاز کی پرواز

(ایک دوست جمانی صاحب سے فرمایا کہ) آپ ٹیک تو لگا رہے ہیں لیکن میرے مضامین کی ٹیکنگ میں کمی نہ آنے پائے اور ٹیک آف بھی کر جایئے یعنی ہم سب کے قلب وجاں کے جہاز اللہ کی طرف اُڑ جائیں اور زمین کے شر اور فتنوں سے، نفس وشیطان کے شر کے چنگل سے رہائی پا جائیں۔ جہاز پر حملہ اکثر رن وے پر ہوتا ہے، عربوں کی جب اسرائیل سے جنگ ہوئی تو اسرائیل نے مصر کے جہازوں کو رن وے پر ہی تباہ کر دیا تھا۔ جس کے قلب وجاں کے جہاز زمینی تعلقات میں مبتلا رہتے ہیں اور زمین کے ایئر پورٹ اور رن وے پر کھڑے رہتے ہیں تو نفس وشیطان کے حملے ان کو وہیں تباہ کر دیتے ہیں اور جو اپنے قلب وجاں کو لیکر اللہ کی طرف اُڑ گئے، وہ جسم سے زمین پر رہتے ہیں اور قلب وروح سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہتے ہیں۔ غور سے سنئے! جسم سے وہ زمین پر ہیں لیکن قلب وروح سے اللہ تعالیٰ کے قرب کی فضاؤں میں اُڑتے رہتے ہیں، شیطان ونفس کے چنگل سے اللہ ان کو آزادی دے دیتا ہے۔

بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کی شادی نہیں ہوئی یا بیوی کا انتقال ہوگیا یا سفر کی حالت میں ہیں، وہ اگر قلب وجاں اللہ کے ساتھ مشغول نہیں رکھے گا تو عورتیں اور فتنے اور اس قسم کی چیزوں میں وہ مبتلا ہوسکتا ہے۔ لیکن جو صورتاً زمین پر ہیں مگر اپنے قلب کے اعتبار سے ٹیک آف کئے ہوئے ہیں، اُڑ رہے ہیں تو زمین والے ان کو کیسے پائیں گے؟ زمین کے فتنہ گر اور زمین کے ستم گر اور زمین کی جفا کاریاں اور شیطان کے سفارتکار اس کو نہیں پا سکتے۔ لہٰذا ہمارے اکابر اور بزرگوں نے یہی فرمایا کہ اللہ والوں کی صحبت اور ذکر اللہ کا دوام کرتے ہوئے اسبابِ معصیت سے دوری کا التزام رکھو کیونکہ جو معصیت کے قریب ہوگا وہ بچ نہیں سکتا، اس لئے اللہ نے معصیت سے منع ہی نہیں فرمایا بلکہ

فرمایا کہ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا جو ہماری حدود ہیں ان حدود کے قریب بھی نہ رہو کیونکہ جو اپنا جانور کھیت سے قریب چرائے گا کسی وقت بھی ابتلا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اللہ کی طرف بھاگو لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کس سے بھاگو؟ عَمَّا سِوَى اللّٰهِ یعنی غیر اللہ سے جان چھڑا کر اللہ کی طرف بھاگو، اللہ تمہارے لئے کافی ہوجائے گا، اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی بھی حالت میں میرا بندہ رہے، غریب ہو امیر ہو، بیوی ہو نہ ہو، قید خانہ ہو یا گھر، غریبی امیری بادشاہت، کچھ بھی ہو، جتنے بھی حالاتِ امکانی بندوں کے لئے زمین پر ہوسکتے ہیں، اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔

راہِ مولیٰ کے مبارک غم کی قیمت

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب قید خانے میں ڈالا گیا، وہ اللہ کے راستے کا قید خانہ تھا، اور دنیاوی کسی جرم کی بناء پر نہیں تھا، ان کا جرم صرف تقویٰ تھا، زلیخا کی بات کو نہیں مانا لہٰذا انہوں نے جو اعلان کیا، اس میں قیامت تک کے لئے خدائے تعالیٰ کے اس عاشق کی تاریخ سازی ہے۔ الٰہ آباد میں حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ندوہ کے کچھ علماء بیٹھے تھے، میں نے عرض کیا کہ یہ آیت رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر عظیم ترین دلیل ہے، کیسے؟ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ اے ہمارے پالنے والے! مجھے آپ کو خوش کرنے کی راہ میں اور نافرمانی سے بچنے کی راہ میں زلیخا جو قید خانے کی دھمکی دے رہی ہے، میں اس قید خانے کو عزیز تر نہیں، حبیب نہیں، محبوب بھی نہیں، احب سمجھتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اتنے محبوب ہیں کہ آپ جیسے محبوب کی راہ کے کانٹوں کو ساری دنیا کے پھول اگر سلامِ احترامی پیش کریں تو اس کانٹے کی عظمت کا حق ادا نہ ہوسکے گا کیونکہ غیر محدود عظمتوں کے مالک، غیر محدود شانِ محبوبیت والے اللہ کے راستے کا کانٹا ہے۔ لہٰذا گناہ چھوڑنے میں

کتنا ہی غم ہو اس کو برداشت کرلو، اس غم کو جو اللہ کے راستے میں گناہ سے حفاظت پر آئے یا اللہ کی مرضی پر تسلیم اور رضا سے آئے، ساری دنیا کی خوشیاں اگر اس غم کو سلام کریں تو اس غم کی عظمتوں کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ تو میں نے عرض کیا کہ جب اللہ ایسے پیارے ہیں، اتنے محبوب ہیں کہ جن کے راستے کے قید خانے احب ہوتے ہیں تو ان کی راہ کے گلستاں کیسے ہوں گے یعنی ذکر و تہجد کی لذات کیسی ہوں گی؟ علمائے ندوہ اس وقت اپنی زبان دانی بھول گئے حالانکہ ؎

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند
اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند
اب علی گڑھ کی بھی تم تشریح لو
ایک معزز پیٹ اس کو مان لو

اہلِ ندوہ کی زبان دانی اس وقت حالتِ حیرت میں تھی اور حضرت نے مجھے بہت شاباشی دی۔

پرواز کے لئے دو چیزیں لازم ہیں

تو بات یہ چل رہی تھی کہ جب اسبابِ معصیت قریب ہوجائیں اور بندہ مجبور ہوجائے جیسے ریل میں جب بیٹھے تو بہت سی عورتیں بے پردہ آگئیں، یا جہاز میں بیٹھے مگر اس میں بہت سی ایئر ہوسٹس ہیں، عورتیں بے پردہ ہیں، اب فرار بھی مشکل ہے، تو اس وقت اس بات پر عمل کرے کہ زمین سے ٹیک آف کردے، کیسے؟ جسم کو تو اب وہ کہیں نہیں لے جاسکتا مگر اپنے قلب و جاں کو حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول کردے، جسم رہے گا زمین پر مگر اپنے قلب و جاں سے وہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوگا، اس کا جہاز اللہ تعالیٰ کی حدودِ عظمت میں طواف کرتا ہوگا، پھر جب اللہ دیکھتے ہیں کہ بندہ گھبرایا ہوا، میرے سامنے رحمت کی فریاد کررہا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ آپ بتائیے کہ کوئی

ڈوب رہا ہو، پریشان ہو اور آپ فن کے ماہر بھی ہوں اور قوی بھی ہوں اور ذرائع بھی ہوں، وہ بار بار پکار رہا ہو، سرکار بچاؤ، بھیّا بچاؤ تو کیا آپ کو رحم نہیں آئے گا؟ تو جو ایسے وقت میں تقاضائے معصیت اور اسبابِ معاصی میں گھرے ہوں، ان کی کشتی ڈگمگا رہی ہو اور اس کشتی کا ناخدا بار بار یا خدا کہہ رہا ہو تو کیا اللہ تعالیٰ اس پر فضل نہیں فرمائیں گے؟

اب ٹیک آف کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، جہاز جب اُڑتا ہے تو دو چیزیں لازمی ہیں، ایک پٹرول وافر ڈالتے ہیں کیونکہ جب زمین چھوڑتا ہے تو بہت زیادہ پٹرول خرچ ہوتا ہے، اوپر اتنا پٹرول نہیں خرچ ہوتا، جب ہوا کے کندھے پر چل پڑا، سارا وزن ہوائیں اٹھاتی ہیں۔ تو ایک تو پٹرول چاہیے، دوسرے اس جہاز کو چلانے والا پائلٹ صحیح ہونا چاہیے ورنہ پٹرول سے اُڑ تو گیا لیکن اس میں پائلٹ درست نہیں ہے تو بجائے جدہ پہنچنے کے ماسکو پہنچ جائے گا۔ اسی طرح جن لوگوں نے عبادت تو بہت کی لیکن کوئی شیخ نہیں تھا، وہ اُڑے لیکن آگے چل کر بدعت یا غیر شرعی چیزوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ سے دور ہو گئے۔

شیخ کا نام بار بار لینے کی لذت

حضرتِ والا مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، میں بار بار اپنے شیخ کا نام اس لئے لیتا ہوں گو آپ سمجھ جائیں گے لیکن اس میں ایک راز ہے، مشکوٰۃ شریف کی وہ حدیث کہ جو شخص ہجرت کرے گا:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَأَۃٍ یَّتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ متفق علیہ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب الایمان؛ ص ۱۱)

تو محدثین اور شارحین فرماتے ہیں کہ جس طریقے سے دنیا اور عورت

کی طرف ضمیر راجع کی گئی، اللہ اور رسول کی طرف بھی ضمیر راجع کی جاسکتی تھی، فَھِجْرَتُهٗ اِلَيْهِمَا کہہ سکتے تھے، لیکن اللہ اور رسول کا نام دوبارہ کیوں لائے؟ اس کا جواب دیتے ہیں: اِسْتِلْذَاذًا بِتَکْرِیْرِ اسْمِھِمَا؛ (مرقاۃ: ج ۱ ص ۱۰۰) یعنی بار بار اللہ و رسول کے نام سے مزہ لینے کے لئے جانِ نبوت نے عاشقانہ مزاج دکھایا۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانِ مبارک نے عاشقانہ زبان استعمال کی ورنہ ضمائر پر اکتفا کرنا عربی قواعد کے لحاظ سے بالکل درست تھا کیونکہ مرجع بالکل قریب ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ اور رسول کا بار بار نام لیکر مزہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لا الٰہ الا اللہ کہنے میں جیسے مزہ آتا تھا، محمد رسول اللہ میں بھی مزہ آتا تھا، اپنی نعمتِ رسالت کو تسلیم کرنا اور اقرار کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی فرض تھا کیونکہ خود آپ پر بھی تو کلمہ فرض تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کہاں ہے؟ یہ سب پیری مریدی کا چکر ہے، ارے ظالمو! خشک روحو! خدا تمہارے حال پر رحم کرے۔

چونکہ پھولپور ہے، میرے شیخ کا شہر ہے لہٰذا مجھے پھر اور زیادہ روحانی طور پر سکون ملتا ہے اور شیخ کا نام لینے میں مزہ بڑھ جاتا ہے، پھر اس مسجد میں تقریباً ۱۲ سال میں نے نمازیں پڑھی ہیں، یہی وہ محراب ہے جہاں کئی کئی گھنٹے حضرت تلاوت کرتے تھے اور تلاوت کرتے کرتے درمیان میں ہر دس بیس آیات کے بعد اللہ! (کھینچ کر) ایسے کہتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوں اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اپنے قلب و جاں کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں، آغوشِ محبتِ الٰہیہ میں اپنا دل رکھ دیتے تھے، میری کیفیت کو آپ کیا سمجھو گے؟

نہیں جب چوٹ ہی کھائی تو زخمِ دل دکھاؤں کیا
نہیں جب کیف و مستی دل میں تو پھر گنگناؤں کیا

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیتے لمحات کی یاد

پندرہ سولہ سال جو رات دن رہے گا، جو راتوں کی آہ و فغاں سنے گا،

سفر وحضر میں بھی حضرت مجھے ساتھ رکھتے تھے، ہم نے شیخ کے ساتھ پلیٹ فارم پر بھی دن ورات گزارے ہیں۔ لکھنؤ میں گرمی میں رات بھر پلیٹ فارم پر سوئے رہے، کوئی اور نہیں تھا۔ ایسے ایسے لمحات گذرے ہیں کہ شیخ کے ساتھ اختر ہی رہتا تھا، خاص کر راتوں میں حضرت کی تہجد کی نمازوں کے بعد مجھے حضرت کی وہ آہ وفغاں بہت کُھلتی ہے، حضرت بے حد روتے تھے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کعبہ شریف میں اس طرح روتے تھے کہ ہم سے سننے والوں کے کلیجے پھٹتے تھے۔ تو الحمد للہ! میں نے بھی اپنے شیخ کے وہ آہ ونالے بے حد دیکھے، میری زندگی حضرت کی آہ وفغاں کے سہارے سے گذری ہے، ورنہ دنیاوی و مادی لحاظ سے اس زمانے میں کوئی عیش نہیں تھا، کوئی بیت الخلاء بھی نہیں تھا، استنجے کے لئے دور کھیتوں میں جانا پڑتا تھا۔ پھر حضرت ناشتہ نہیں کرتے تھے لہٰذا ہم بھی ناشتہ نہیں کرتے تھے، حضرت کی آہ وفغاں کے سہارے میرے شب وروز گذرتے تھے اور اس لحاظ سے بہت پُرعیش تھے۔

دنیا میں میں نے ایسا عاشقانہ عبادت کرنے والا کہیں نہیں دیکھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اختر کو سیاح بنایا ہے، جنوبی افریقہ، فرانس، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب وغیرہ جگہ جگہ جانا ہوا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام بڑے بڑے خلفاء کو میں نے دیکھا مگر حضرت جیسی عبادت کرنے والا نہیں پایا۔ میرے شیخ تلاوت وتسبیحات کے درمیان زور سے نعرہ مارتے تھے جیسے ریل کے انجن کی اسٹیم سے باڈی پھٹنے لگے تو ڈرائیور اس کا ڈھکن اٹھا دیتا ہے، تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ قلب انوار سے بھر گیا ہے اس لئے درمیان درمیان میں اللہ اللہ کا نعرہ مارتے اور پھر تلاوت شروع کر دیتے۔

کرنے کے کام تو کرنے سے ہوتے ہیں (عشقِ شیخ کا ایک واقعہ)

ہم لوگ جو عبادت کرتے ہیں تو جیسے ہمیں مجاہدہ ہوتا ہے لیکن حضرت کو

مجاہدہ نہیں ہوتا تھا، وہاں تو ہر وقت مشاہدہ تھا، حضرت کا معمولات میں مجاہدہ نہیں تھا، ہم لوگوں کو تو کبھی سستی بھی ہو جاتی ہے لیکن حضرت کو کبھی معمولات میں سستی نہیں ہوتی تھی سوائے ایک دن کے۔ اس دن بہت سردی تھی تو حضرت کو تھوڑی سی سستی آ گئی اور جا کر لیٹے رہے، کچھ لکڑی وغیرہ جلا کر پھر بیٹھے اور چنے کھانے لگے، پھر تھوڑی دیر میں فرمایا کہ حکیم اختر! میرا قرآن شریف لاؤ اور مناجاتِ مقبول لاؤ، اور فرمایا کہ ہمارے پیر یعنی حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کرنے کے کام تو کرنے سے ہی ہوتے ہیں، بیٹھنے سے نہیں ہوتے، اگر بیٹھے رہو اور زبان سے کہتے رہو کہ تلاوت کرنا ہے، ذکر کرنا ہے تو بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بس اس جملے سے ایسی بجلی ایسا کرنٹ آیا، حضرت کے قلب میں ایسی گرمی آئی کہ کیا کہوں جیسے بیٹری چارج ہو گئی، بس بڑے میاں وہاں سے نکل کر دوڑے ہوئے آئے اور پھر وہی پانچ چھ گھنٹہ اپنے معمولات پورے کئے۔ یہ تھی پیر کی محبت کہ کرنے کے کام تو کرنے سے ہی ہوتے ہیں۔ آپ دیکھئے ان لوگوں کو اپنے پیر سے کتنا عشق تھا کہ ایک جملے نے ان کو خمیرہ یاقوتی اور کورامن کا انجکشن اور خمیرہ مروارید کا کام دیا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اطلاع آئی کہ انتقال کر گئے، میرے حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے اتنی گھبراہٹ، اتنا اضطراب اور بے چینی ہوئی، میں بار بار یہ پڑھ رہا تھا۔

اُڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گیا پر ہاتھ میں

پھر میں نے غسل کیا، حضرت گرمیوں میں کپڑے گیلے ہی پہن لیا کرتے تھے، سوکھنے کا انتظار نہیں کرتے تھے، خود ہی بڑے میاں میں اپنے اندر اتنی گرمی تھی، حضرت کے کپڑے خود ان کے جسم پر خشک ہوتے تھے، تو حضرت نے فرمایا کہ

مجھے ایک ہوا آئی جس سے میرا سارا کپڑا معطر ہوگیا، پھر جب میں سویا ہوں تو ایسا محسوس ہوا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ مبارک آ کر مجھ سے لپٹ گئی، اس میں کوئی اور راوی درمیان میں نہیں ہے، حضرت نے مجھ سے خود فرمایا۔ اس کے بعد حکیم سعید سے جو ہمارے مدرسے کے ساتھی تھے، اس زمانے میں وہ حضرت سے رات کو بھی پڑھتے تھے، ان سے فرمایا کہ حکیم سعید! ذرا یہاں آؤ، دیکھو میرا کپڑا سونگھو، میں ابھی نہا کر آ رہا ہوں اور کپڑے سے خوشبو آ رہی ہے، اتنی خوشبو جبکہ میں نے عطر بھی نہیں لگایا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ بالکل صحیح فرما رہے ہیں، خوشبو آ رہی ہے، کئی روز تک خوشبو تھی۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی کرامت

ایک دفعہ بیت العلوم میں ہیضہ پھیل گیا تو حافظ مصطفیٰ صاحب کو بھی ہیضہ ہوگیا، اس زمانے میں وہ پڑھاتے تھے چونکہ ان کا سارا بچپن یہاں گذرا تھا تو حضرت بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت کو مچھلی کا بہت شوق تھا تو حافظ مصطفیٰ صاحب کو حضرت سے ایسی محبت تھی کہ رات کو تین بجے اٹھ کر تَونس ندی کے پانی میں جاتے اور جال سے مچھلیاں پکڑ کر صبح فجر کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھتے اور نماز کے بعد حضرت کو پیش کرتے تھے، حضرت ان کے لئے بہت دعا کرتے تھے۔ جب کوئی ایسا محب ہو اس کے ہیضے کی خبر جب شیخ نے سنی تو میں شیخ کے پاس ہی تھا، خبر آئی کہ حافظ مصطفیٰ صاحب کی حالت نازک ہے اور ان کو قے و دست آ رہے ہیں، بچنے کی کوئی امید نہیں ہے، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے کہ چند گھنٹوں کے مہمان ہیں تو میں نے جو شیخ کا عمل دیکھا وہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت نے یہیں آ کر وضو کیا اور سجدہ میں سر رکھ کر رونا شروع کر دیا۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مصیبت، پریشانی

یا آفت آئے تو پہلے مخلوق سے مت کہو، پہلے دو رکعات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کر دو، جہاں سے مصیبت آئی ہے وہاں رابطہ کرلو پھر ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو طبیب کی سمجھ میں دوا بھی صحیح آئے گی کیونکہ اوپر سے فیصلہ ہوگیا کہ اس کی یہ بلا ٹالنا ہے لہٰذا بلا ٹالنے کے جتنے اسباب ہیں اللہ تعالیٰ خود پیدا فرما دیں گے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ حکیم اختر! چلو ندی چلو، جب ندی پہنچے تو حضرت نے وہاں غسل فرمایا، لنگی مجھے پکڑا دی اور خود سینہ اور گلے تک پانی کے پردہ میں چلے گئے کہ بے پردگی نہ ہو، غوطہ مار لیا، غسل ہوگیا، تھوڑا سا پانی پی بھی لیا۔ یہ کیوں کیا؟ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کبھی پانی میں گھس جاؤ، اتنے پانی میں کہ ستر چھپ جائے اور پھر کپڑے اتار کر باہر دے دو، غوطہ مار کے غسل کرلو، پھر تھوڑا سا پانی پی بھی لو۔ اب لباس پانی کا ہے جو قدرتی ہے، آسمان سے برسا ہے، کسی کے باپ کا اس میں اجارہ نہیں ہے اور پیٹ میں وہی پاک پانی کی غذا ہے جو اللہ کا برسایا ہوا ہے۔ آسمانی پانی آسمانی لباس، اب جو مانگو گے ان شاء اللہ سب قبول ہو جائے گا کیونکہ کوئی حائل نہیں رہا۔ حدیث شریف میں ہے:

((ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ یَارَبِّ یَارَبِّ وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَّمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَّغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ؟))

(صحیح مسلم: (قدیمی)؛ باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب، ج ۱ ص ۳۲۶)

کہ جب پیٹ میں غذا حرام ہوگی، جسم پر لباس حرام ہوگا تو دعا قبول نہیں ہوگی چاہے کتنا ہی گڑگڑائے۔ تو اس دریا میں حضرت نے کر کے دکھایا، پانی پی کر پھر ہاتھ اٹھایا۔ آہ! سب کر کے سکھا گئے بڑے میاں۔ پھر واپس آ کر مسجد میں دو رکعات پڑھیں اور میرے سامنے سجدے میں ایسا روئے جیسے کوئی باپ کا اپنا بیٹا ہو، دو تین گھنٹے بعد خبر آئی کہ حافظ صاحب اچھے ہوگئے، طبیعت

سنبھل گئی، پھر بہت عرصہ زندہ رہے۔ایک مرتبہ مجھے کچھ غم کی کیفیت تھی تو اسی دریا کے کنارے، چادر اوڑھے ہوئے لیٹا تھا،غم میں چادر اوڑھنے کا دل چاہتا ہی ہے، یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔تو ایک چرواہے نے جب دیکھا تو وہ سمجھا یہ کوئی موت کا فرشتہ ہے،اس نے زور سے چلّا کر کہا یا جبرئیل!اور مارے ڈر کے بھاگا۔

دعا کی برکت سے حاجیوں کا جہاز لوٹ آیا

تو جب کوئی مصیبت آئے،دو رکعات پڑھ کر اپنے ربّا سے روؤ جیسے چھوٹا بچہ اپنے ابّا سے روتا ہے،ہمیں بھی یہی چاہیے کہ دو رکعات پڑھ کر اپنے ربّا سے روئیں۔ایک مرتبہ بمبئی سے ہوائی جہاز حاجیوں کو لے کر اُڑا،اسی جہاز پر میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب بھی تھے،حضرت نے یہ واقعہ خود سنایا، بیچ میں کوئی راوی نہیں ہے،صاحبِ مشاہدہ نے خود مجھ سے بیان کیا۔آخری جہاز تھا اور تین حاجی سوار ہونے سے رہ گئے،انہوں نے مصلیٰ بچھا کر رونا شروع کر دیا، حالتِ احرام میں چیخ چیخ کر رونے لگے۔بہت سے لوگ ان کو بیوقوف سمجھنے لگے کہ جہاز نکل گیا اب رونے کا کیا فائدہ؟ جہاز بھی کبھی واپس آتا ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد بمبئی کا جہاز جو ایک گھنٹے میں کراچی پہنچنا تھا، پندرہ منٹ بعد ہی پھر آبادی نظر آنے لگی۔حضرت نے فرمایا کہ ہم نے جہاز والوں سے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ تو معلوم ہوا کہ جہاز بمبئی واپس آگیا ہے، جہاز کا عملہ کوئی پرزہ بمبئی بھول گیا تھا یا پرزہ ڈھیلا ہو گیا تھا اس کو صحیح کرانا پڑا۔جب جہاز رن وے پر لگا اور عملہ پرزہ لینے گیا تو اتنے میں تینوں حاجی ایسا دوڑے کہ مت پوچھو! ہندوؤں نے بھی کہا کہ واہ! خدا کی کیا شان ہے،دعا سے جہاز کو لوٹا دیا،دعا معمولی چیز نہیں ہے۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ سے راز و نیاز

تو میں حضرت کی عبادت کی کیفیت بتا رہا تھا کہ میں نے اسی محراب میں خود دیکھا کہ حضرت تلاوت کرتے کرتے اچھل اچھل جاتے تھے،معلوم ہوتا تھا

جیسے شدید بھوک میں کوئی گلاب جامن یا شامی کباب کھا رہا ہے۔ایک دفعہ میں نے دیکھا، کوئی دوسرا نہیں تھا بلکہ میں بھی چھپا ہوا تھا، حضرت کو بھی احساس نہیں تھا کہ اختر بھی یہاں ہے کہ حضرت نے تلاوت روک کر فرمایا ؎

آ جا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

آہ! یہ وہی محراب ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر مخلوق میں سے کون تھا جس سے حضرت یہ فرما رہے تھے؟ ذرا سوچئے! جب مسجد میں کوئی نہ ہو، خادم بھی چھپا ہوا ہو، محراب میں بھی کوئی نہ ہو تو کس سے کہتے ہوں گے؟ حضرتِ والا کی روحِ مبارک اس درجہ عاشق تھی کہ واقعی اپنے وقت کے صدیق تھے۔آپ سب لوگ جانتے ہی ہیں خالی میں نہیں جانتا، میں بھی حضرت کی نقل کرتا ہوں، اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔میرے حضرت جب تلاوت و ذکر کرتے تھے، درمیان میں اللہ اللہ! اللہ اللہ اللہ! ایسے جیسے قلب و روح بے چین ہوں اور قلب اپنی فدا کاری پیش کرتا رہتا تھا، اور میں اُس کونے میں بیٹھا رہتا تھا تاکہ حضرت کو یہ نہ معلوم ہو کہ میری عبادت کا، میرے اور اللہ کے درمیان میں کوئی راز لینے والا بیٹھا ہوا ہے، چھپ کر بیٹھتا تھا، چھپا اس لئے رہتا تھا تاکہ میرے شیخ کے مقامِ خلوت سے آگاہ رہوں، کوئی اور مقصد نہیں ہوتا تھا۔حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت بھی ہے کہ اللہ والے اگر عبادت میں مشغول ہوں تو ایسی جگہ نہ بیٹھو کہ ان کی نظر پڑ جائے اور انہیں یہ محسوس ہو کہ کوئی اور بھی ہے تاکہ ان کے خانۂ خلوت میں کوئی مانعِ خلوت نہ ہو۔ واہ! یہ کیسا جملہ ادا ہو گیا! اب پتا چلا آپ کو کہ میرے الفاظ جو ہوتے ہیں وہ سوچے ہوئے نہیں ہوتے، یہ ہمارے بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔

حدیث لَا یَزَالُ عَبۡدِیۡ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ کی شرح

شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے اپنے زمانے میں زیادہ

کتب بینی نہیں کرتے دیکھا، بس عبادت میں مست تھے، اصل میں حال غالب ہو گیا تھا جبکہ کتابیں اتنی تھیں کہ ذخیرہ لاکھوں روپے کا تھا، حضرت کبھی کبھی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر سناتے تھے، فرماتے تھے لانا ذرا تفسیر کبیر، اس میں سے کچھ سنا دوں۔ پھر حضرت کی عربی کا کیا کہنا! حضرت کی عربی اتنی مضبوط تھی جیسے ہماری اردو۔ حضرت پر جب علوم کی بارش ہوتی تھی، کیا عرض کروں اور حافظہ بھی بہت قوی تھا، معمولات کے درمیان میں کوئی علم کی بات بھی کر لیتے تھے، وہ سب مجھے لکھا دیتے تھے۔ اس کی ایک مثال دوں گا اس کو مولوی عبداللہ زیادہ سمجھیں گے، آپ لوگ بھی سمجھ جائیں گے۔ ایک حدیثِ پاک ہے:

((لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا ۔ و زاد عبد الواحد فی روایته کذا فی الفتح وَلِسَانَهُ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِهٖ ۔ فتح الباری: ج ۱۲ ص ۲۹۳)) (صحیح البخاری: باب التواضع؛ ج ۲ ص ۹۶۳)

یہ حدیثِ قدسی ہے یعنی اس کے راوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس کی شرح بہت نازک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ عباداتِ نافلہ کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں میری آنکھ سے دیکھتا ہے، اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں وہ میری زبان سے بولتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ میرے کان سے سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں وہ میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے۔ یہ اتنی مشکل حدیث ہے کہ اس کو پڑھاتے ہوئے بڑے بڑے علماء کے ہوش اُڑ جاتے ہیں کہ کیسے سمجھائیں؟ اللہ کی آنکھ کیسی جو وہ ہماری آنکھ بن جائے گا لیکن اب سنئے کہ میرے شیخ نے اس کو پڑھایا تو کیسے پڑھایا؟ آج بنگلہ دیش کے بڑے بڑے علماء میری مجلس میں بیٹھتے ہیں، بیس بیس سال بخاری شریف پڑھانے والے محدثین میں

میرا بیان ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور پھر یہی شعر پڑھتا ہوں ؎

چاند تارے مرے قدموں میں بچھے جاتے ہیں
یہ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے آسمانی علوم کی ایک مثال

میرے شیخ نے اس حدیث کی یہ شرح فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت چھا جاتی ہے تو جو چیز غالب ہوتی ہے اسی کی طرف نسبت کی جاتی ہے، جیسے کسی پر جِن چڑھ گیا ہو تو اس وقت جو کچھ وہ کہتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ نہیں بول رہا ہے بلکہ جِن بول رہا ہے، اگر کچھ غلط بات کہہ دے تو برا نہ ماننا کیونکہ معذور ہے۔ ایک بنگلہ دیشی طالبِ علم پر ایک انگریز جن آ گیا تو وہ طالبِ علم انگریزی میں بات کرنے لگا حالانکہ ایک دن بھی انگریزی اسکول نہیں گیا تھا تو جب جِن کے غلبہ سے انسانیت مغلوب ہوجاتی ہے اور جِن کی غالبیت سے اس کی تمام گفتگو کو، اس کی تمام حرکات کو جِن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو جس پر اللہ کی محبت غالب ہوجائے پھر اس کی تمام حرکات وسکنات کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں کیا اشکال ہے؟ یہاں تک کہ اس پر اللہ کا نور اتنا چھا جاتا ہے کہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے، خدا کے نور سے بولتا ہے۔ آہ! پھر اس موقع پر یہ شعر بھی حضرت پڑھتے تھے ؎

نورِ او در یُمن و یسر و تحت و فوق
بر سرم بر گردنم مانندِ طوق

یعنی اللہ کا نور دائیں بائیں اوپر نیچے اور میرے سر پر میری گردن پر ہر طرف ہے، اور اردو اور ہندی کے یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

یَس مَن مَور لَبدھ گئے توں ہی
سُمِرنُ نام بِسرُ گئے مَوں ہی

آپ بتایئے! یعنی علماء اس شرح کو سن کر دنگ ہوجاتے ہیں، ایک اور مثال سنئے:

﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾

(سورۃ البروج: آیۃ ۱۴)

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ پر حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی الہامی تفسیر

یہاں غفور کے بعد اللہ کا نام ودود، محبت کرنے والا نازل فرمانے کا کیا راز ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جانتے ہو ہم تم کو کیوں بخش دیتے ہیں؟ مارے مَیا کے۔ یہ کب کا واقعہ ہے؟ اسی باولی میں نیچے جاکر میں کپڑے دھو رہا تھا اور اوپر شیخ تلاوت کرتے کرتے مع قرآن شریف کے پہنچ گئے، فرمایا حکیم اختر! جلدی آؤ، ایک علم حق تعالیٰ کی طرف سے ابھی ابھی عطا ہوا ہے، میں جلدی سے دوڑا، بھاگا گیا، جلدی سے کاپی قلم اٹھایا اور اس علم کو لکھ لیا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اے دنیا والو! تم جانتے ہو کہ جب تم توبہ کرتے ہو معافی چاہتے ہو، میں جلد معاف کیوں کردیتا ہوں؟ مارے مَیا کے، تمہاری محبت کی وجہ سے، پورب کی زبان میں مَیا معنی محبت ہے۔

تفاسیر میں تفسیر بیان القرآن کا بلند مقام

دارالعلوم کراچی میں حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے، اختر بھی تھا۔ حضرت نے ایک مضمون بیان کیا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے، وہ نابینا صحابی تھے جو اپنی اصلاح کی غرض سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفارِ قریش کے سرداروں کو دعوتِ اسلام میں مشغول تھے اور کفار بھی معززین شہر تھے کہ ان کے اسلام سے

بہت زیادہ نفع کی توقع تھی لیکن نابینا صحابی نے حاضر ہو کر کچھ دینی بات پوچھنی شروع کر دی تو عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں ناگواری کے آثار ہو گئے، کسی نے ترجمہ کیا کہ آپ ترش رو ہوئے، آپ نے تیوری چڑھائی لیکن ہمارے شیخ فرماتے تھے کہ حضرت حکیم الامت نے جو ترجمہ عَبَسَ کا کیا ایسا ترجمہ کسی نے نہیں کیا کہ آپ چیں بہ جبیں ہوئے۔ یہ ایک محبوبانہ تعبیر ہے، محبوب کی نارضگی کی تعبیر ایسے کی جاتی ہے کہ پیشانی پر بَل آ گئے، ذرا سا بَل آ جائے تو عاشق گھبرا جاتا ہے۔ تو حضرت فرماتے تھے کہ لاؤ ہمارے پیر کے مقابلے میں کوئی ترجمہ۔ اور دیکھیے! آیت یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ کے سارے تراجم دیکھ لو، اور پھر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ دیکھو، حضرت نے اس کا ترجمہ کیا ہے یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ اے یوسف! اے صدقِ مجسم! فرمایا جتنے ترجمے ہیں، سب دیکھو پھر میرے شیخ حکیم الامت کا ترجمہ دیکھو۔

وَهُوَ يَخۡشٰى پر حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عاشقانہ تقریر

تو میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے متعلق جو بات ارشاد فرمائی، اس کے مزہ میں مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم پاکستان) کو وجد آ گیا اور فرمایا کہ حضرت! ایک آیت پر میں بیان کروں اور اسی آیت پر آپ بیان کریں تو زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے، اور فرمایا آپ قلیل الکمیت اور کثیر الکیفیت ہیں یعنی آپ کا مضمون مختصر بھی ہوتا ہے لیکن کیفیت اور اسٹیم اس میں تیز ہوتی ہے اور ہمارا مضمون کثیر الکمیت تو ہوتا ہے لیکن قلیل الکیفیت ہوتا ہے جیسے ریل میں وزن بہت ہے جبکہ ہوائی جہاز میں وزن اس سے کم ہوتا ہے لیکن جتنا جلد جہاز اُڑ کر پہنچتا ہے ریل نہیں پہنچتی کیونکہ دونوں کی اسٹیم میں فرق ہے۔ اسی طرح ایک ہی شیخ کے بہت سارے مرید ہوتے ہیں لیکن بعض مرید اپنی کیفیتِ روحانی کی وجہ سے دوسروں سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جو اسٹیم تھی وہ سب سے فائق تر تھی لہٰذا وہ پرواز میں سب سے آگے بڑھ گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک تو یَسْعٰی۔عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی دوڑ کر آئے، اور دوسرے وَ ھُوَ یَخْشٰی اور وہ ڈر بھی رہے تھے۔تو دوڑ کر چلنا دلیلِ عشق ہے، جب انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس سے ملنا چاہتا ہے تو رفتار خود بخود تیز ہو جاتی ہے اور اگر محبت نہ ہو تو آہستہ آہستہ چلتا ہے اور راستہ دوبھر معلوم ہوتا ہے۔صحابی عشقِ رسول میں دوڑتے ہوئے تو آئے لیکن وہ ڈر بھی رہے تھے، اِنَّ الْحَالَ یَکُوْنُ قَیْدًا لِّذِی الْحَالِ، حال ذوالحال کے لئے قید ہوتا ہے، علماء حضرات اس قاعدہ کو سمجھتے ہیں۔کیا مطلب؟ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم عشق میں دوڑے ہوئے تو آئے لیکن ان کا عشق خشیت کے دائرے میں تھا۔اگر اللہ کا عشق اللہ کے خوف کے دائرے سے نکل جائے تو وہی بدعت بن جاتا ہے، بدعت وہ عشق ہے جو حدودِ خشیت سے تجاوز کر جائے، پھر وہ قانون کا پابند نہیں رہتا، جیسے چاہو عشق کرو، اور صحیح سنت و شریعت کے راستے کو کہتا ہے کہ یہ سب مولویوں کی باتیں ہیں۔

تو میرے حضرت نے یہ فرمایا کہ یَسْعٰی سے عشق ثابت ہوا اور وَ ھُوَ یَخْشٰی سے اس عشق کو پابندِ شریعت اور حدودِ شریعت کا قیدی بنا کر اللہ نے بتا دیا کہ جو ہم سے محبت کرے گا اور حدودِ شریعت کو توڑے گا یا حدودِ سنت کے دائرے سے خروج کرے گا اس کا عشق غیر مقبول ہوگا، مردود ہوگا۔تو حضرت مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس تفسیر پر حال آ گیا کہ یَسْعٰی سے عشق اور وَ ھُوَ یَخْشٰی سے خشیت و خوف ثابت ہوتا ہے یعنی عشق ایسا ہو جو خوف کے دائرے میں ہو، ایسا عشق نہ ہو کہ بے خوف ہو جائے۔اس لئے حضرت حکیم الامت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کی محبت کو عظمت کے ساتھ جمع کرنا چاہیے، ایسی محبت نہ ہو جیسی بیوی سے یا اماں سے ہوتی ہے بلکہ ابّا والی محبت ہو، اماں کو تو بیٹا اماں پچّاں بھی کہہ دیتا ہے کہ اماں پچّاں کھانا دو، لڑ بھی لیتا ہے مگر ابّا کو کبھی ابّا چبّا نہیں کہتا کہ کہیں ابّا چبا نہ ڈالے۔ تو شیخ کے ڈنڈے سے بھی ذرا ہشیار رہنا چاہیے، محض محبت ہو گی تو نالائقی اور گستاخی ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کفار کی طرف متوجہ رہنے کی دو وجہ

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کافروں میں مشغول رہے اور اللہ کا ایک پیارا بندہ آیا اس سے آپ نے منہ پھیر لیا؟ آپ نے کیوں اعراض فرمایا؟ کیوں منہ پھیر لیا؟ ناگواری کیوں ہوئی؟ کہاں صحابی اور کہاں کافر مبغوض مردود۔ فرمایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو ناگوار ہوا تو آپ کا اجتہاد یہ ہوا کہ صحابی تو اپنا ہی ہے، دشمنانِ اسلام کو مسخر کرنا چاہیے، وہ بڑے معزز لوگ تھے، اگر یہ کافر سردار مسلمان ہو جائیں گے تو جتنے ان کے متبعین ہیں وہ بھی اسلام لے آئیں گے، اسلام پھیل جائے گا، یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ اجتہاد میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر اجتہاد صحیح ہو تو بھی ثواب ملتا ہے اور اگر اجتہاد میں خطا ہو تو بھی ثواب ملتا ہے بشرطِ اخلاص اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاص کا کیا کہنا!

اب عتاب ہونے کی دو وجہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہیں کہ ایک طرف طلب تھی، صحابی کے اندر طلب تھی، اخلاص تھا، پیاس لے کر آئے تھے اور دوسری طرف طلب اور پیاس کا وجود ہی نہیں تھا۔ تو ایک شخص پیاس سے مر رہا ہے اور دوسرا اکڑ فوں کر رہا ہے کہ ہمیں آپ کا پانی نہیں چاہیے تو ایسے وقت میں اسی کو پلا دینا چاہیے جو شدتِ پیاس سے مر رہا ہو، عاشقانہ اضطراب میں مبتلا ہو اور جو استغناء کر رہا ہو کہ تم اپنا پانی لئے رہو، ہم تمہارے پانی سے باز آئے اس کو پانی پلانا اس وقت میں مناسب نہیں۔

اور دوسری بات یہ لکھی ہے کہ اگر کسی حکیم کے پاس دو مریض آجائیں، ایک ہیضہ کا مریض ہے، شدید اضطراب میں مبتلا ہے، مرنے کے قریب ہے اور دوسرا کھانسی زکام میں آیا، مزکوم ہے، چھینکیں آرہی ہیں تو حکیم اور ڈاکٹر کا اجتہاد یہ ہوگا کہ پہلے ہیضہ والے کو بچا لیا جائے پھر زکام والے کو شربتِ بنفشہ دیا جائے۔ تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اجتہاد یہ ہوا کہ میں کفر کے ہیضہ والے کو پہلے دوا دے دوں پھر صحابی کو شربتِ بنفشہ بعد میں دے دوں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ تنبیہ فرمائی کہ آپ کا اجتہاد اس وقت صحیح ہے اگر اس ہیضہ والے کو پیاس اور طلب ہوتی، مر رہا ہے مگر طبیب کو گالیاں دے رہا ہے لہٰذا کتنا ہی شدید مرض ہو اگر اس میں استغناء اور کبر ہو تو وہ لائقِ کرم نہیں ہوگا اور صحابی کو اگرچہ زکام والا مرض تھا، کفر والا مرض نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ فرمائی کہ وہ آپ کے لائقِ کرم ہے اس لئے کہ وہ طلب اور پیاس لے کر آیا ہے۔ اگرچہ اس کا مرض خفیف ہے لیکن وہ قابلِ التفات اور قابلِ توجہ ہے، اور کفار کو فالج کا مرض شدید نہیں بلکہ اشد تھا لیکن چونکہ وہ پیاس اور طلب کے دائرے سے خارج تھے، آدابِ طلب اور آدابِ پیاس کو ظاہر نہیں کر رہے تھے، اس لئے اس بے ادبی کی سزا میں نا قابلِ التفات تھے۔ سبحان اللہ! یہ ہے قرآنِ پاک کے علوم کی حلاوت اور لذت۔ لیکن ؎

مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے میری مفت کی نہیں

قیامِ پھولپور میں کھانے کی قلت کا حال

آج وہ دن یاد آتے ہیں، شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہم کیسے کھانا کھاتے تھے؟ جیسے پانچ دن میں ایک پلیٹ میں گوشت آیا، اب پانچ آدمی پہلے سے تھے پانچ اور آ گئے، حضرت انکار نہیں کرتے تھے کہ جاؤ بھئی

اپنے اپنے گھر جاؤ بلکہ فرماتے تھے بیٹھ جاؤ بھئی! بیٹھ جاؤ، سب لوگ بیٹھ جاؤ، اور ایک پلیٹ میں آلو یا سبزی، سویا، ایک پلیٹ میں دال اور روٹی، چاول وغیرہ، تو ایک ایک چمچہ سبزی یا گوشت سب کو ملتا تھا، ہم لوگ اپنی پلیٹ میں رکھ کر آخر تک کھاتے نہیں تھے، اس کو دیکھ کر اس کیف سے کھاتے چلے جاتے تھے کہ آخر میں آخری لقمہ اس کو ملا کر کھائیں گے، اپنے معدے کو اور نفس کو خوش کرتے تھے کہ سبحان اللہ! کیا سبزی ہے، واہ رے سویا، واہ رے دھنیا۔ حافظ مصطفیٰ بھی اس میں شامل تھے، حافظ مصطفیٰ اور ہم لوگ آپس میں ترکیب لگاتے تھے کہ گوشت سامنے رکھو، اگر پہلے کھالیں گے تو بعد میں دال نگلنی پڑے گی، اس کو دیکھتے رہو آخر میں منہ میں ڈالیں گے۔ اور آج کل خانقاہ میں میرے دسترخوان پر دیکھو مرغے اور مچھلی، کباب اور پلاؤ، مال ہی مال چلا آرہا ہے، اللہ پاک ہم لوگوں کو کھلانے کے لئے کتنا انتظام فرماتے ہیں۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بغیر حضرت والا کی پریشانی

لیکن ایک بات کہتا ہوں جس سے ان لوگوں کا دینی فائدہ بڑھ جائے گا جو مجھ سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں کہ میرے جوانی کے مجاہدات پر میرے شیخ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی گواہی کافی ہے جو انہوں نے اپنے بھائی اسرار الحق سے حیدرآباد سندھ میں فرمایا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ بھائی ابرار الحق نے تمہارے بارے میں یہ کہا ہے کہ پہلے زمانے میں مریدین اپنے شیخ کی خدمت کس طرح کیا کرتے تھے، جو میں نے کتابوں میں پڑھا تھا وہ میں نے اختر میں دیکھ لیا۔ حضرت کو سب یاد ہے کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اعظم گڑھ میں ڈاکٹر عبدالقادر صاحب کے ہاں رات کا قیام تھا اور میں کوٹلہ، اپنی سسرال سے یہاں خانقاہ آیا، ایک گاڑی رات کو گیارہ بجے آتی تھی۔ یہاں آکر پتا چلا کہ شیخ تو یہاں نہیں ہیں، شیخ اور حضرت ہردوئی دونوں اعظم گڑھ

چلے گئے ہیں جو یہاں سے تیس چالیس میل ہے،تو حضرت کوموجود نہ پا کر مجھے ایسی گھبراہٹ ہوئی کہ میں یہاں ٹھہرا نہیں،فوراً اسٹیشن چلا گیا،رات بھر پلیٹ فارم پر رہا،تین بجے رات کودوسری گاڑی آئی جواعظم گڑھ جاتی تھی۔ اس نے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اعظم گڑھ پہنچا دیا،ابھی اذان میں ایک گھنٹہ باقی تھا کہ چپکے سے جا کر حضرت کی چارپائی کے پاس بیٹھ گیا جہاں حضرت سورہے تھے،مولانا ابرارالحق صاحب بھی کچھ فاصلے پر سورہے تھے۔حضرت کی نیند کا یہ حال تھا کہ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل جاتی تھی اور اللہ اللہ کر کے دوبارہ سو جاتے تھے،گویا اللہ کا ذکر حضرت کے لئے غذا بن گیا تھا،بس جیسے ہی حضرت نے اللہ اللہ کہا میں نے کہا السلام علیکم۔حضرت نے تعجب سے فرمایا کہ ارے!تم اس وقت کیسے آ گئے؟ابھی تو رات ہے،صبح بھی نہیں ہوئی۔میں نے عرض کیا کہ آپ کی تلاش میں پھولپور گیا تھا،آپ کو وہاں نہ پا کر بے چین ہو کر دوسری گاڑی سے یہاں آ گیا ہوں،پھر میں نے ایک شعر پڑھا ؂

صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را
کہ سر بہ کوہ و بیاباں تو دادئی ما را

اے صبا!اس ہرن سے جو ظالم چوکڑی مار کر بھاگتا جارہا ہےاور ہم اس کو جنگلوں اور پہاڑوں میں ڈھونڈ رہے ہیں،کہہ دے کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں تو نے میرے سر کو کہاں کہاں سرگرداں کیا۔آپ کی محبت میں میں پھولپور گیا، آپ وہاں نہیں تھے،میں رات بھر جاگتا رہااور اب یہاں آ گیا ہوں تو حضرت بہت خوش ہوئے،کیا دعا دی ہوگی!

نعمتوں کو اپنے مجاہدات کا ثمرہ سمجھنا ناشکری ہے

ان بوڑھوں کا مجھے بلانا جنھوں نے میرا وہ زمانہ دیکھا ہےاگرچہ میں اپنے مجاہدہ کا انعام نہیں سمجھتا،انعام صرف اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کیونکہ کسی

نعمت کو اپنے مجاہدات کی طرف نسبت کرنے کو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفرانِ نعمت اور ناشکری قرار دیا ہے:

((اِنَّ بَعْضَ الْمُغْتَرِّیْنَ مِنَ الصُّوْفِیَاءِ وَالسَّالِکِیْنَ یَنْسِبُوْنَ کَمَالَاتِہِمْ اِلٰی مُجَاھَدَاتِہِمْ فَھٰذَا عَیْنُ الْکُفْرَانِ))

(بیان القرآن :(ادارہ تألیفات اشرفیہ)؛ سورۃ ابراھیم، آیۃ ۷، ج ۲ ص ۳۰۵)

بعض الّو، فریب خوردہ، بدھو قسم کے صوفی اور سالکین اپنے کمالات اور عطائے حق کو اپنے مجاہدہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم نے اتنی محنت کی ہے تب اللہ نے ہمیں نوازا ہے، تو نعوذ باللہ! اللہ کی عطا اور انعام کو اپنے مجاہدہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، فرمایا کہ یہ عین ناشکری ہے کیونکہ اللہ کی غیر محدود عظمتوں کا حق ہمارے محدود مجاہدات ادا ہی نہیں کر سکتے اور ہر مجاہدہ پر فی لگ سکتا ہے، اعتراض ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس بات کو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی عظمتِ غیر محدود کا حق بندوں کی طرف سے ادا ہونا ناممکن ہے۔

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِہِمْ کی عارفانہ تفسیر

اور سنئے! ایک آیت کی تفسیر حضرت والا کی بیان فرمودہ آپ لوگوں کو سناتا ہوں، مال حضرت کا ہے زبان میری ہے، دادا کا مال پوتے کو سنا رہا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ صحابہ کی شان میں یہ آیت ہے:

﴿سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِہِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط﴾

(سورۃ الفتح: آیۃ ۲۹)

صحابہ کی عبادت کے انوار جو راتوں کو ہوتے ہیں وہ ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہے ہیں، سجود سے مراد یہاں عبادت ہے، راتوں کی تہجد وغیرہ۔ تو نماز کو سجدہ سے کیوں تعبیر کیا گیا جبکہ سجدہ تو جزوِ صلوٰۃ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی بلاغت میں اس کو مجاز مرسل کہتے ہیں یعنی تَسْمِیَۃُ الْجُزْءِ بِاسْمِ الْکُلِّ اور تَسْمِیَۃُ الْکُلِّ بِاسْمِ الْجُزْءِ۔ اب یہ باتیں علماء ہی سمجھتے ہیں یعنی میرے

بیت العلوم کے استاذ اور میرے اتنے ساتھی بیٹھے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہم نے زیادہ کتابیں نہیں دیکھیں لیکن یہ جو زبان بول رہا ہوں یہ حضرت کی کرامت ہے، شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے، جتنی تصنیف وغیرہ ہے سب حضرت کی کرامت ہے۔ میں جب عرب جاتا ہوں تو میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم عربی میں مجھ سے تقریر کراتے ہیں، میرے مدرسہ میں بارہ ملکوں کے طلباء پڑھ رہے ہیں، نائیجیریا، لیبیا، الجزائر، مراکش وغیرہ، جو عربی بولتے ہیں، اسی طرح جب عرب سے تبلیغی جماعت والے آتے ہیں اور میری عربی سنتے ہیں تو کہتے ہیں یا سیدی شیخ۔

تو حضرت کے الفاظ تھے کہ جب راتوں کی عبادت کے انوارِ الٰہیہ سے صحابہ کے قلب کا پیمانہ بھر جاتا تھا تو پیمانۂ قلب سے چہرے پر جھلکنے لگتا تھا اور آنکھوں سے چھلکنے لگتا تھا، اسی کو شاعر کہتا ہے ؎

تابِ نظر نہیں تھی کسی شیخ و شاب میں
ان کی جھلک بھی تھی مری چشمِ پُر آب میں

جس اللہ کے لئے آنسو نکلتے ہیں ان آنسوؤں میں اللہ کی تجلیات ہوتی ہیں اور اگر وہ آنسو کسی دنیاوی معشوق کے لئے نکلیں تو اس میں مردہ پن اور بدبو بھی رہتی ہے۔ تو حضرت کی اس تفسیر کا کمال دیکھئے چونکہ میں نے حضرت کو کبھی کتاب دیکھ کر تقریر کرتے نہیں سنا لہٰذا جب میں نے تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر دیکھی جس کے لئے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پوری کائنات میں اس سے بڑی کوئی تفسیر نہیں ہے جبکہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ پڑھنے کے زمانے میں اتنے غریب تھے کہ خود فرماتے ہیں:

((كُنْتُ أُطَالِعُ فِيْ نُوْرِ الْقَمَرِ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ لَّيَالِي الشَّهْرِ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)، خطبۃ المصنف، ج ۱ص ۶)

میں چاند کی روشنی میں پڑھتا تھا، تیل کا پیسہ بھی نہیں تھا اور جب میری کتاب روح المعانی تصنیف ہوئی تو وہی امیر لڑکے جو میرا مذاق اُڑاتے تھے پھر میرے جوتے سیدھے کرنے لگے۔ تفسیر لکھنے میں محنت بھی کتنی کی کہ جب سورۂ یونس کی تفسیر لکھی تو اس دریا میں گئے جس میں مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگلا تھا، اتنا سفر کیا، اس دریا کو دیکھا اور مچھلیوں کا بھی مشاہدہ کیا، ان کی سائز، ان کے منہ کی پیمائش سب دیکھ کر پھر جا کر تفسیر لکھی، کتنی محنتیں کی تھیں، اللہ اکبر!

اب تفسیر روح المعانی کی عبارت سنئے جس کی عربی بہت مشکل ہوتی ہے۔ علمائے بنگلہ دیش نے کہا کہ اختر حافظِ مثنوی بھی ہے اور حافظِ روح المعانی بھی ہے۔ اس عبارت کی کوئی کیا قدر کرے گا اگر عربی پڑھے ہوئے نہ ہو، اگر یہ مولوی عبداللہ آج اس خاندان میں نہ ہوتے تو میں یہ علمی باتیں کس کو سناتا؟ یہ اللہ تعالیٰ نے میری آبرو رکھی، اس شہر میں ان کے ذریعہ سے دین کی اشاعت ہو رہی ہے۔ تو روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر بعینہٖ میرے شیخ کی اردو کی عربی تھی، میں عش عش کر گیا کہ واہ! میرے شیخ کو آسمان سے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے تو حضرت بالکل ناواقف تھے، کتاب دیکھی تک نہیں تھی، میری زندگی میں تو کچھ دیکھتے ہی نہیں تھے، جو آسمان سے عطا ہوتا تھا اسی کو بیان کرتے تھے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیما کیا چیز ہے؟

((هُوَ نُوْرٌ يَّظْهَرُ عَلٰى وُجُوْهِ الْعَابِدِيْنَ يَبْدُوْ مِنْ بَاطِنِهِمْ اِلٰى ظَاهِرِهِمْ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ الفتح؛ ج۲۶ ص۳۸۸)

یہ ایک نور ہے جس کا اللہ کے عبادت گذار بندوں پر ظہور ہوتا ہے جو ان کے باطن سے بھر کر ظاہر میں آجاتا ہے۔ بس کیا کہیں، میرے دل سے پوچھو کہ مجھ پر کیا کیفیت طاری ہوئی، واہ رے میرے شیخ! اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کو جس اللہ نے دیا اسی اللہ نے میرے شیخ کو بھی

عطا فرمادیا، فرق یہ ہے کہ انہوں نے عربی میں فرمایا اور میرے شیخ نے اردو میں۔ لیکن میرے شیخ نے زیادہ چشتیت اور زیادہ عاشقانہ انداز میں بیان کیا کہ پیمانۂ قلب جب اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات سے بھر جاتا ہے تو چہرہ سے جھلکنے لگتا ہے، آنکھوں سے چھلکنے لگتا ہے۔

معارفِ مثنوی پڑھ کر علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات

اس وقت یہ بات یاد آ گئی، کچھ سوچ کر نہیں بیان کیا اور آپ ہی کے بابا اور آپ ہی کے دادا کی بات اختر نقل کر رہا ہے، آپ کے خاندان کا ایک ادنیٰ خادم، مولوی عبداللہ کے دادا اور بڑے بابو، چھوٹے بابو کے بابا کی بات پیش کر رہا ہے، آپ دونوں کو تو سفر کا موقع نہیں ہے لیکن مفتی عبداللہ سے پوچھو جس شہر میں چند دن کا قیام ہوتا ہے وہاں کیا کیفیت ہوتی ہے؟ کیسے لوگ محبت کرتے ہیں، پھر میں یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

چاند تارے مرے قدموں میں بچھے جاتے ہیں
یہ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

لوگ کہتے ہیں اللہ والوں کی صحبت سے کیا ملتا ہے، میں کہتا ہوں اختر کو دیکھ لو! میں نے کتابیں زیادہ نہیں دیکھیں نہ پڑھیں لیکن آج بڑے بڑے علماء اور فضلائے دیوبند میری باتیں نوٹ کرتے ہیں اور کہتے ہیں حضرت پھولپوری کی کرامت دیکھنی ہو تو اختر کو دیکھ لو۔ خود میرے استادِ فارسی مولانا سعید صاحب نے فرمایا کہ کیا تم نے فارسی کسی اور سے بھی پڑھی ہے؟ کیسے مثنوی مولانا روم جیسی مشکل کتاب کو فارسی سے اردو میں تم نے کر دیا؟ پھر اسی وزن پر میرے اپنے فارسی زبان میں چار پانچ سو اشعار کا ہونا، جس پر علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے شعر اور مولانا روم کے شعر میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا، یہ سب میرے شیخ کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔

اس کا قصہ یوں ہوا کہ ایک مرتبہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب، نیوٹاؤن مدرسہ میں مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف فرماتھے، اختر بھی حاضر تھا، اسی اثناء میں میں نے مثنوی پیش کی، جب مولانا بنوری نے اسے کھولا تو میرا شعر لکھا تھا۔

اہلِ دل آنکس کہ حق را دل دہد
دل دہد او را کہ دل را می دہد

تو مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ میرے فارسی شعر کو مولانا رومی کا شعر سمجھے، میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ میرا شعر ہے تو فرمایا لَا فَرْقَ بَیْنَکَ وَبَیْنَ مَوْلَانَا رُوْمِ مولانا روم اور اختر کے شعر میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔

اللہ والوں کو اہلِ دل کیوں کہتے ہیں؟

اب اس شعر کا مطلب بھی سن لو، اللہ والوں کو اہلِ دل کیوں کہتے ہیں؟ دل تو سب کے سینہ میں ہوتا ہے۔ انہیں اہلِ دل اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ پر اپنا دل فدا کرتے ہیں جس سے ان کا دل قیمتی ہوجاتا ہے، جس چیز کا استعمال قیمتی ہوتا ہے تو وہ چیز بھی قیمتی ہوجاتی ہے۔ جیسے ایک اینٹ ہے، اس کو کسی نے پیشاب خانے میں لگادیا، اب اسکی قیمت کو ذہن میں رکھ لیجیے، اسی جیسی اینٹ مسجد میں، اللہ کے گھر میں لگادی، اور ایک اینٹ مسجد نبوی میں قبول ہوگئی جہاں پچاس ہزار کا ثواب ملا یا بیت اللہ میں لگادی جہاں ایک لاکھ ثواب ملتا ہے۔ تو اینٹ وہی ہے، ساخت وہی ہے، مٹیریل، قیمت، دام سب ایک جیسا ہے لیکن استعمال سے اس کی قیمت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

تو اپنی جوانی، اپنی حیات کو اس خالقِ حیات پر جس رفتار، جس معیار، جس کمیت اور جس کیفیت سے کوئی فدا کرتا ہے، اس سے اس کی زندگی قیمتی ہوجاتی ہے۔ ایک دن تو سب کو مرنا ہے جب ہمارے بڑے چلے گئے تو

ہمیں بھی جانا ہے لیکن اپنی زندگی کو خالقِ زندگی پر، اس حیات کو خالقِ حیات پر جس کیفیت، جس کمیت اور جس رفتار سے ہم فدا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی عطائے حق سے ہمیں مالا مال کر دیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ دنیا میں کسی انسان کے لئے کوئی مرتا اور فدا ہوتا ہے تو وہ شخص اس کا زندگی بھر احسان منداور شکرگذار رہتا ہے کہ ہمارے پرانے دوست ہیں، اللہ تعالیٰ تو ارحم الراحمین ہیں۔

بار بار شیخ کا نام لینا مرید کی سعادت ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اختر کے پاس جو بھی ظاہری و باطنی نعمت آپ کو نظر آتی ہے وہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا صدقہ ہے۔ یہ میں ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں، پوری روئے زمین پر جتنے بھی حضرت شیخ کے متوسلین ہیں، کچھ دیر ان کے پاس بیٹھئے اور پھر اس فقیر کے پاس بیٹھئے تب معلوم ہوگا کہ حضرت والا کی بات کس نے زیادہ یاد کی؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دنیا میں میری کوئی تقریر ایسی نہیں ہوگی جہاں اختر نے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہ کیا ہو، ہر تصنیف میں آپ دیکھ لیں۔ مجھے پہلا پیر ہی اللہ کے عشق میں جلا بھنا ملا تو انگریزی میں ایک کہاوت ہے:

First Impression Is The Last Impression

اب اس ملّا سے انگریزی سنو چونکہ میرا جنوبی افریقہ وغیرہ بھی جانا ہوتا ہے تو وہاں کے انگریزی دانوں کو سمجھانے کے لئے کچھ انگریزی کے الفاظ بھی بول دیتا ہوں تا کہ مسٹروں کی ٹرمس کرنے میں آسانی ہو جائے۔ اس پر ایک لطیفہ سنو، ایک گاؤں میں خبر آئی کہ گورنر آیا ہے تو ایک دیہاتی پگڑی اور نئے کپڑے پہن کر، تیار ہو کر دیکھنے گیا، کہنے لگا کہ حضور! ہم نے آج تک ٹر بہت دیکھے ہیں، ڈپٹی کلکٹر، انسپکٹر، ڈاکٹر، ہیڈ ماسٹر، کلکٹر لیکن آج پہلی دفعہ زندگی میں نَر آپ کو دیکھا، گورنر! جاہل تھا بے چارہ، اس نے سمجھا کہ اس کے

ساتھ ٹَر لگا ہوا ہے تو شاید کوئی اور قسم کا انسان ہوگا۔تو پہلا تاثر جو ہوتا ہے وہ آخر تک ہوتا ہے،تو پہلا پیر ہی مجھے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ ملے لہٰذا جو حضرت کا مجھ پر اثر ہے وہ اوروں کا نہیں آسکتا۔مگر سب تعریف واسطے اللہ کے ہے، ساری دنیا میری تعریف کرے لیکن یقین سے کہتا ہوں کہ حضرت پھولپوری کی جوتیوں کا صدقہ ہے،اور یہ بھی حضرت کی کرامت ہے کہ میں اپنی تعریف کو حق تعالیٰ کی تعریف سمجھتا ہوں۔

تعریف کی چار اقسام

کیونکہ میرے شیخ نے الحمدللہ کی جب تفسیر پڑھائی تھی تو فرمایا تھا کہ یہاں لام تخصیص کا ہے یعنی سب حمد اللہ کے لئے ہے،اس کی تفسیر یہ ہے کہ دنیا میں جو تعریف ہوتی ہے اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) بندہ تعریف کرے کسی بندہ کی (۲) بندہ تعریف کرے اللہ کی (۳) اللہ تعالیٰ تعریف فرمائیں بندے کی (۴) یا اللہ تعالیٰ تعریف فرمائے خود اپنی ذات کی، یہ چاروں تعریف سب اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔

اب دیکھئے! ایک دن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آج پیغمبر سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ میں نے خواب میں ساری رات سفر کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام خود موٹر چلا رہے تھے اور میں ان کی بغل میں تھا اور اختر تُو بھی بغل میں تھا۔اب یہ میں نے اپنا پول کھولنا شروع کر دیا، چاہے مجھے گالیاں دو چاہے مکار یا رِیا کار کہو کیونکہ میں نے بہت دن تک اپنا پول نہیں کھولا لیکن اب بڑھاپے کا زمانہ آگیا اور یہ ویسے بھی مخصوص احباب کی مجلس ہے، کبھی جلسہ میں، عام مجمع میں ایسی بات نہیں کہتا، جنہیں مجھ سے محبت ہے ان کے سامنے کبھی ایسی بات ہو جاتی ہے۔

اللہ والوں کا بڑھاپے کا آرام مت دیکھو

میں اپنے دردِ دل کی داستان آپ لوگوں کو سنا تو رہا ہوں لیکن مجھ سے اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا، دل میں اور الفاظ میں فاصلے ہوجاتے ہیں، دردِ دل کی داستان الفاظ سے ادا نہیں ہوسکتی کیونکہ ساری دنیا کی زبانیں فارسی، ترکی، عربی سب مخلوق ہیں اور خالق غیر محدود عظمتوں والا ہے تو اس کی غیر محدود عظمتوں کو مخلوق کی محدود ولغت سے میں کیسے تعبیر کرسکتا ہوں؟ تو میر صاحب! آپ دیکھیے اس محراب میں میں نے اپنے شیخ کے پیچھے بارہ سال ان کا ذکر سنا ہے، میں منتظر رہتا تھا کہ جب حضرت اللہ کہیں تو میں اپنا دل حضرت کی آواز کے ساتھ لگا دیتا تھا، بس اس وقت میرا یہی کام تھا کہ حضرت کی آوازِ ذکر کے ساتھ میں اپنا دل لگا دوں۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت یہاں بیٹھے ہوں اور میں جا کر کہیں لیٹ جاؤں یا کسی سے بات چیت کرنے لگوں، بس کونے میں پڑا ہوا حضرت کی جوتیاں اور سامان ہاتھ میں لئے بیٹھا رہتا تھا، جب حضرت مسجد سے باہر تشریف لاتے تو جوتے پہنا دیتا تھا۔ نہ ناشتہ نہ پانی، آج کل کسی کو ناشتہ نہ ملے تو دوسرے دن آدھی رات کو بستر لیکر بھاگ جائے گا لیکن ہم تقریباً بارہ سال ایک قطرہ چائے پانی دوپہر ۱۲ بجے تک نہیں لیتے تھے، اس کے بعد ایک بجے حضرت کھانا کھاتے تھے۔ ہم نے خود درخواست کی تھی کہ اگر آپ ناشتہ نہیں کرتے تو ہمیں شرم آتی ہے کہ یہ آپ کا خادم ناشتہ کرے اور آپ پاس بیٹھے ہوں، جیسے آپ رہیں گے ویسے میں رہوں گا، چنانچہ میں بھی ناشتہ نہیں کرتا تھا۔ آج لوگ دین کے خادموں کا بڑھاپے کا آرام تو دیکھتے ہیں، بقول شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ دینی خادموں کا بڑھاپا مت دیکھو، ان کی جوانی دیکھو کہ کیسے گذاری؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت سے ہمت اور توفیق دی اور اسی محبتِ شیخ نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بازار سے گذرنے کی کیفیت

میرے شیخ کو بارہ مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی، مجھ سے فرمایا حکیم اختر! مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بارہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور ایک مرتبہ اس طرح زیارت ہوئی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمِ مبارک کے لال لال ڈورے بھی خواب میں دیکھے اور خواب ہی میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں نے آپ کو خوب دیکھ لیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں عبدالغنی! تو نے مجھے خوب دیکھ لیا، کیا اللہ والے تھے! سبحان اللہ۔

حضرت نے فرمایا کہ میرا سینہ اتنا چوڑا تھا کہ ناک سے نوے ڈگری اگر خط کھینچا جاتا تھا تو میرے سینے سے گذرتا تھا، اصلی گھی پاؤ ڈیڑھ پاؤ کھانا حضرت کے لئے کوئی بات ہی نہیں تھی، سب ہضم بھی ہوجاتا تھا لیکن ساری طاقت اور عالمِ شباب کو اپنے اللہ پر فدا کردیا۔ یہیں سے تانگہ گذرتا تھا بیت العلوم تک مگر میں نے حضرت کو کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے کسی بنیے کی دکان کی طرف یا کسی کپڑے مٹھائی کی دکان کی طرف دیکھا ہو، بارہ سال کی شہادت ہے یہ، یکّہ میں بیٹھتے تھے اور تلاوت شروع کردیتے تھے۔

بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

مسجد کے اندر شہادت دے رہا ہوں کہ بارہ سال میں میں نے کبھی شیخ کو نہیں دیکھا کہ کسی حلوائی کو، بنیے کو دائیں بائیں دیکھا ہو، وہ لوگ سلام کرکے گذر جاتے تھے لیکن حضرت نہیں دیکھتے تھے، پیدل بھی کبھی گذرے تو کبھی اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے، بس سامنے نظر ہوتی تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت! جب میں دنیا کی زمین پر چلتا ہوں تو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے آخرت کی زمین پر چل رہا ہوں تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے وقت کا صدیق ہے۔ اور یہ کیسے معلوم ہوا؟ سلطان پور کے حاجی عبدالواحد نے بتایا کہ میں اس وقت

تھانہ بھون میں موجود تھا، حضرت حکیم الامت کسی کام سے گھر تشریف لے گئے تو میں نے دل میں کہا کہ دیکھوں یہ کون شخصیت ہے جسے اپنے وقت کا صدیق فرمایا حکیم الامت نے ؟ تو خط کے آخر میں لکھا ہوا تھا عبدالغنی پھولپوری۔

خانقاہ پھولپور میں روزانہ کے مجاہدات

یہاں جو تالاب ہے نا! پہلے بہترین شفاف پانی کا تالاب تھا، گھاس پھونس کچھ نہ تھا، اس میں کافی پانی تھا، ڈباؤ والا، صاف ستھرا اور یہاں سے ہم لوگ اتر کر نیچے وضو کرتے تھے، حضرت نہاتے تھے تو ہم بھی نہاتے تھے۔ (میر صاحب نے پوچھا کہ کیا باولی یہی ہے؟) فرمایا ہاں یہی باولی مشہور ہے جس میں کچھ باولے نہاتے تھے، اس کی تاریخ یہ ہے کہ ہم لوگ جمعہ کے روز اسی میں نہاتے تھے۔ ندی میں کپڑے دھوتے تھے وہ سب دکھائیں گے، آج تاریخ دہرائیں گے۔ آج وہ زمانہ ہے کہ ہر وقت گرم پانی میسر ہے، اسی باولی میں سخت سردی میں ہم نہاتے تھے، پہلی ڈبکی جب لگاتے تھے تو کچھ دیر کے لئے جسم سُن ہوجاتا تھا، بے ہوش جیسے ہوجاتے تھے، پھر جلدی جلدی نہاتے بھی جاتے تھے اور ایک ہاتھ سے جونکوں کو بھی ہٹاتے رہتے تھے، استنجا خانہ بھی کوئی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ سیلاب آیا تو کہیں پاخانہ کی جگہ نہ رہی، پھر بارش میں بھیگتے ہوئے، چھتری ہاتھ میں لئے ہوئے نہر پر گئے، سب کپڑے بھیگ گئے۔ لیٹرین، بیت الخلاء، غسل خانہ کچھ نہیں تھا یہاں۔ شیخ بھی ایسے ہی رہتے تھے، یہ نہیں کہ شیخ نے اپنے لئے کچھ بنوایا ہو، حضرت بھی جنگل چلے جارہے ہیں، اور صبح جیسے ہی بیدار ہوتے تو یہ شعر پڑھتے تھے۔

عشقِ من پیدا و معشوقم نہاں
یار بیرون فتنۂ او در جہاں

عشق من پیدا و دلبر ناپدید
در دو عالم ایں چنیں دلبر کہ دید

میرا عشق ظاہر ہے لیکن میرا محبوب جن کے لئے میں بیدار ہو رہا ہوں، اپنی نیند کو قربان کر رہا ہوں وہ پوشیدہ ہے، اور کبھی یہ شعر بھی پڑھتے تھے ؎

عاشقی پیدا ست از زاریٔ دل
نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

اے دنیا والو! اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے جب دل روتا ہے، آنکھیں تو بہت روتی ہیں مگر اونچا مقام دل کے رونے سے ملتا ہے، گنگناتے ہوئے ترنم سے پڑھتے تھے۔ سناٹا ہوتا تھا، یہ سب ٹریفک کچھ نہیں تھی، بجلی بھی نہیں تھی، جنگل میں سلوک طے کرنے کا جو مزہ تھا، کیا بیان کروں!

خانقاہ پھولپور میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کا واقعہ

یہ وہ جگہ ہے پھولپور، یہاں آکر ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی اپنے ماضی کو آواز دے رہا ہے، اور اب تو مکانات وغیرہ بن گئے ورنہ یہاں بس جنگل تھا یعنی میری جوانی شیخ کے ساتھ ایسی گذری کہ یہاں کوئی بھی مکان نہیں تھا، عالمِ ھو رہتا تھا۔ رات کو اور زیادہ سناٹا ہوتا تھا، مغرب بعد چراغ جلتا اور تھوڑی دیر میں ہوا سے بجھ جاتا، کوئی شیشہ تو تھا نہیں اس میں، پھر تاروں کی روشنی میں گذارا ہوتا تھا، شیخ بھی گرمی میں اس صحن میں لیٹتے تھے، اس وقت اس کی چھت نہیں تھی، لالٹین بھی کبھی کبھار جلتی تھی جس کا شیشہ سیاہ ہوتا تھا اور بتی کے بھی دو شوشے نکلے ہوئے، حضرت کو خبر ہی نہیں تھی کہ شیشہ کدھر ہے اور بتی کدھر ہے اور جالے کدھر ہیں؟ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ آئے تھے، انہوں نے لال ٹین کو غور سے دیکھا، شیشہ کالا اور خانقاہ میں جالے لگے ہوئے تو ہنس کر فرمایا کہ جس اللہ والے کے یہاں پرانی روشنی کا یہ حال ہو، اس کے ہاں

نئی روشنی کیسے گھس سکتی ہے؟ خواجہ صاحب سے ایک اور بات بیت العلوم کی یاد آئی وہ بھی بتا دوں پھر کہاں موقع ملے گا۔ بیت العلوم میں حاجی یعقوب صاحب تھے، ان کی آواز بہت کڑک تھی، وہ اقامت بھی ایسے کہتے تھے جیسے کوئی اذان کہہ رہا ہو، اللہ اکبر (بہت بلند آواز سے)۔ جب خواجہ صاحب آئے تو پہلی صف میں خواجہ صاحب ان کے قریب کھڑے ہوئے، جیسے ہی انہوں نے زور سے کہا، اللہ اکبر اللہ اکبر، تو خواجہ صاحب نے کہا ارے باپ رے! کان کھائے گا کیا! حضرت شاہ عبد الغنی صاحب اور سارے لوگ ہنس پڑے۔

خانقاہ پھولپور میں حضرت والا کی پہلی حاضری

میں جب اپنی والدہ سے اجازت لے کر پہلی مرتبہ پھولپور حاضر ہوا تو بقر عید کا دن تھا، پہلی ہی ملاقات میں میں نے عرض کیا، السلام علیکم! حضرت، میں محمد اختر ہوں، پرتاب گڑھ سے آیا ہوں، اپنی اصلاح کے لئے چالیس دن رہنے کا ارادہ ہے۔ چونکہ تھانہ بھون کا یہ اصول کتابوں میں پڑھ کے آیا تھا کہ جو جائے تو اپنا نام، اپنی غرضِ سفر اور کتنے دن ٹھہرے گا سب بتا دے، تو حضرت بہت خوش ہوئے، اس وقت حضرت نے وہیں سے اپنے بڑے بیٹے کو آواز لگائی اے بابو! جلدی سے سویّاں لاؤ۔ اس کے بعد حضرت نے غسل کیا، غسل کر کے وہی عمامہ باندھا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے شیخ کو تحفہ، ہدیہ دیا تھا، اس میں کئی جگہ پیوند بھی لگا ہوا تھا۔ میں بھی ساتھ گیا، وہاں عید گاہ میں کچھ بچے شور مچا رہے تھے تو حضرت نے ان مالداروں کو بہت ڈانٹا کہ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے، چھوٹے بچوں کو لاتے ہیں، سب کی نماز میں گڑبڑی کرتے ہیں۔ میں نے پہلی دفعہ حضرت کی للکار جب سنی تو دل میں کہا کہ مولوی ایسا ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر لوگ ڈرتے ہیں، مگر میرا شیخ ڈرنا کیا جانے۔ یہ ہماری تاریخ تھی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایسی ہمت و توفیق دی، چالیس دن میں رہ گیا۔

میں جب حاضر ہوا تو میں نے چوڑی پا جامہ، ترکی ٹوپی، شیروانی اور اس کے سارے بٹن لگے ہوئے، ایک دم کالج کے جیسے طالب علم ہوتے ہیں اس طرح سے آیا تھا، لیکن حضرت کے پاس دیکھا کہ وہاں سب مولانا لوگ بیٹھے ہیں۔ میں نے اس وقت عربی تو پڑھی تھی نہیں، طبیہ کالج سے سیدھا آیا تھا، فارسی کچھ پڑھی تھی، تو جب یہ ماجرا دیکھا تو جلدی سے میں پھولپور کے بازار گیا اور سفید کپڑا خریدا اور لمبا کرتہ ٹخنہ سے اوپر پاجامہ بنوا کے اور خانقاہی ٹوپی لگا کر حاضر ہوا۔ ترکی ٹوپی، چوڑی پاجامہ اور شیروانی سب بکس میں رکھا، کرتہ پہن کر جب حضرت کے سامنے کھڑا ہوا تو حضرت نے دیکھا اور فرمایا: یہ صاحب آئے تھے کس حالت میں اور اچانک مولوی کے لباس میں آ گئے، پھر فرمایا، ماشاء اللہ، نور معلوم ہوتا ہے۔ اور پوچھا کہ اعظم گڑھ چلو گے؟ میں نے عرض کیا حضرت! میں آیا ہی اس لئے ہوں، پھر منصف جلیل صاحب کے یہاں دعوت میں میرے شیخ تشریف لے گئے۔ رکشے سے جب اترے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں، فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ آپ کی دعوت ہے، میں مدعو نہیں، میں ہوٹل سے کھانا کھا کر ابھی آتا ہوں کیونکہ یہ بھی میں نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ پیر کے پیچھے دسترخوان پر ہاتھ دھو کر نہ بیٹھ جائے۔ تو حضرت اتنا خوش ہوئے کہ فرمایا، ماشاء اللہ آپ کو یہی کرنا چاہیے، واہ شاباش، جزاک اللہ۔ پھر فرمایا کہ چند منٹ رکو، میں ابھی آتا ہوں، حضرت نے جا کر جج صاحب سے کچھ کہا، اب جج صاحب دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے کہا کہ مولوی صاحب! آپ کا احسان ہو گا کہ آپ میرے ہاں کھانا تناول فرمائیں۔ میں نے دوبارہ حضرت سے اجازت لی کہ کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں ان کی دعوت قبول کر لوں؟ حضرت نے فرمایا ہاں ہاں قبول کر لو۔

ایک قدیم دوست کو داڑھی رکھنے کی نصیحت

یہ ہماری پہلی ملاقات تھی۔اس وقت عجیب سناٹا ہوتا تھا،کسی انسان کی آواز بھی نہیں آتی تھی سوائے شیخ کے نعرۂ حق ھو کے۔یہ آواز بھی کیسی تھی! مسجد میں ہوتے تھے تو مسجد گونج جاتی تھی۔کوئی بھی نہ ہوتا تو حضرت مجھے اکیلے پڑھاتے تھے،ایسے مہمان آئے، چلے گئے ورنہ فرماتے لاؤ بھئی حکیم جی! مثنوی لاؤ۔حکیم جی زیادہ کہتے تھے،پھر مثنوی سے کبھی ایک شعر کبھی دو شعر پڑھا دیا کرتے تھے۔اسی بستی پھولپور سے میں شیخ کے مہمانوں کا سودا لے جاتا تھا، سکندر اس سے واقف ہے،وہ زمانہ پوچھنا ہو تو اس سے پوچھ لو۔

ایک بلبل ہے ہماری رازداں
ہر کسی سے کب کُھلا کرتے ہیں ہم

یہ سکندر مغرب کی نماز کبھی کبھی حضرت کے پاس پڑھتا تھا۔دیکھو! داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے،کسی امام کے نزدیک کترانا یا ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں ہے،حرام ہے،ایک مٹھی رکھو،بڈھے بھی ہوگئے،بال بھی سفید ہوگئے۔

نجانے بلا لے پیا کس گھڑی
تو رہ جائے تکتی کھڑی کی کھڑی

ظالم سوچ لے! یہ میرا بے تکلف دوست ہے اس لئے میں اس سے کہتا ہوں۔ جس سے دوستی ہوتی ہے وہ ناز اٹھاتا ہے،یہ میرا ناز اٹھائے گا برا نہیں مان سکتا، میں اجنبی سے کہتا بھی نہیں ہوں لیکن اس سے کہتا ہوں کہ تینوں طرف سے ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے،دائیں سے بائیں سے اور نیچے ٹھوڑی کی طرف سے۔ جب اوکھلی میں ڈالا سر پھر مُوسلی کا کیا ڈر، جب اللہ نے داڑھی کی توفیق دے دی پھر کیا ڈر ہے کہ ذرا سا کمسن بھی رہو، اپ ٹو ڈیٹ بھی رہو کہ لمبی داڑھی ہوگئی تو لوگ ڈیٹ ایکسپائر کہہ دیں گے۔چونکہ میری نظر پڑ گئی تو ان کو بلا لیا،میرا فرض تھا

کہ ان کو شریعت کا حکم سنا دیتا کہ اب داڑھی کو استرا یا قینچی مت لگانا۔ داڑھی کا خط بنانے میں بھی خیال رکھو، آج کل لوگ خط ایسا بناتے ہیں کہ بالکل ذرا سی لکیر رہ جاتی ہے اور گال کا تین چوتھائی حصہ فارغ البال ہوجاتا ہے، داڑھی داڑھ سے ہے، جہاں دونوں جبڑے ملتے ہیں، بس اوپر کے جبڑے کا بال بنا سکتے ہو، نیچے تک نہیں کاٹ سکتے۔

لباس سے ٹخنے نہ چھپانے کی نصیحت

ایسے ہی ہر جگہ عرض کررہا ہوں کہ ٹخنہ مت چھپاؤ، اگر داڑھی کترا دی اور ٹخنہ چھپا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

((کُلُّ اُمَّتِیْ مُعَافًی اِلَّا الْمُجَاھِرِیْنَ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب ستر المومن علی نفسہ؛ ج ۲ ص ۸۹۶)

میری تمام امت معافی کے قابل ہے مگر جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں وہ معافی کے قابل نہیں، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانِ عالیشان کے مطابق آپ معافی کے قابل نہیں، ہم ناقابلِ معافی جرم کیوں کریں؟ جیسے مثال کے طور پر کوئی گھر پر دشمن ملک کا جھنڈا لگا دے تو کیا حکومت اسے معاف کرتی ہے؟ یہ تھوڑا سا عمل ہے، کوئی مشکل پرچہ نہیں ہے لہٰذا صالحین کی وضع اور اللہ والوں کی شکل بنالو کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے کہ اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی شکل بنالو، رونے والوں کی شکل بنانے سے رونے والوں میں شمار ہوگا، اسی طرح اللہ والوں کی شکل بنانے سے ان شاء اللہ انسان بدل جائے گا اور اللہ والوں کی حقیقت بھی مل جائے گی۔ ماں کے پیٹ میں پہلے انسان کا اسٹرکچر اور ڈھانچہ بنتا ہے، انسانی روح بعد میں عطا ہوتی ہے، گدھی کے پیٹ میں پہلے گدھے کا اسٹرکچر بنتا ہے پھر گدھے کی روح آتی ہے جیسا ڈھانچہ ہوگا ویسی روح آجائے گی، جیسا اسٹرکچر ہوگا ویسی فنشنگ آجائے گی، جب ہمارا ظاہر اللہ والوں کے مطابق

ہو جائے گا تو حق تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ہمیں صالحین کی حقیقت بھی نصیب فرما دیں گے۔ خاص کر ٹخنہ چھپانے سے تو بہت بچو کیونکہ حدیث ہے:

((مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب ما اسفل من الکعبین ؛ ج ۲ ص ۸۶۱)

یہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ جتنا حصہ ٹخنے کا ازار سے چھپے گا وہ آگ میں جلایا جائے گا، اور مسلم شریف کی روایت کے مطابق ٹخنہ چھپانے والے کو اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ لَّا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ..... اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ))

(صحیح مسلم: (قدیمی)، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار ؛ ج ۱ ص ۷۱)

بخاری شریف کی شرح فتح الباری جو چودہ جلدوں میں ہے، اس میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ:

((اِنَّ ظَاھِرَ الْاَحَادِیْثِ یَدُلُّ عَلٰی تَحْرِیْمِ الْاِسْبَالِ))

(فتح الباری: (دار الکتب العلمیۃ)، باب من جر ثوبہ من الخیلاء ؛ ج ۱۱ ص ۲۲۴)

تمام احادیث کو جب میں نے ملا کر دیکھا تو ان کی دلالت یہ ہے کہ ٹخنہ چھپانا حرام ہے، یہ اتنے بڑے محدّث کی تحقیق ہے اور آجکل کے نئے نئے لوگوں نے بس دو حرف پڑھ لیا اور محقق بن گئے، کہتے ہیں ٹخنہ چھپ گیا تو کیا ہوا، قیامت کے دن پتا چلے گا جب اللہ کی نظرِ رحمت سے جنت کے فیصلے ہوں گے۔

یہ اپنے اس پرانے ساتھی کی محبت میں دونوں باتیں عرض کر دیں، اس سکندر ظالم کے ساتھ میرا ایک زمانہ گذرا ہے، اس پر نظر پڑی تو مجھ سے رہا نہ گیا مگر یہ مجھ پر ظلم نہیں کرتا تھا، کبھی محبوب کو بھی ظالم کہہ دیا جاتا ہے۔ پورے قصبہ پھولپور میں بس ایک یہی تھا جو بازار سے آکر حضرت کے ساتھ مغرب کی نماز

پڑھا کرتا تھا، ہم اسی سے دل بہلاتے تھے۔ ایک اٹھارہ سال کا جوان اور ستر سال کا اس کا پیر، آخر کچھ تو میرا بھی جی چاہتا تھا کہ کچھ ہنسوں بولوں، یہ آجاتا تھا تو کچھ ہم اس سے دل بہلا لیتے تھے، اس لئے میں نے یہ شعر پڑھا۔

ایک بلبل ہے ہماری رازداں
ہر کسی سے کب کُھلا کرتے ہیں ہم

دین کا محور اور اساس اللہ والوں کی صحبت ہے

خلاصہ یہ کہ ہمارے دین کا محور، دین کی اساس، دین کی بنیاد اور دین کی ساری سلامتی اور بقاء اور ترقی رفاقتِ اہل اللہ میں مضمر ہے۔ جس نے اللہ والوں کو اپنا رفیق نہیں بنایا وہ دین کے مغز اور حلاوتِ حقیقیہ سے محروم رہے گا، حلاوتِ کتبیہ تو پا جائے گا مگر حلاوتِ قطبیہ نہیں پائے گا۔ جو آیت میں نے پڑھی تھی وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيقًا شکر ہے اختر کو اللہ تعالیٰ نے ۱۲ سال توفیقِ رفاقت شیخ کی عطا فرمائی، بارہ سال تقریباً کہہ رہا ہوں ورنہ پڑھنے کا زمانہ الگ ہے۔ مدرسہ سرائے میر میں جب پڑھتا تھا تو بھی ہماری طالبِ علمی بدنام تھی کہ یہ تو بس پیری مریدی کے چکر میں ہے، جہاں یکّہ سے حضرت پہنچے تو بس سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت کی خدمت میں پہنچ جاتا تھا، جو لفظ ارشاد فرماتے سب نوٹ کرتا تھا، جہاں مدرسہ سے چھٹی ملی خانقاہ بھاگ آتا تھا۔ بعض اساتذہ نے ناراض ہو کر کہا کہ تم کیسے طالب علم ہو؟ تمہیں کیا علم آئے گا؟ میں نے ادب سے عرض کیا کہ میں تو گھر سے پھولپور آیا ہی بابا کی وجہ سے ہوں کہ یہاں مجھے علمِ دین کے ساتھ ایک اللہ والے کی صحبت بھی ملے گی، اگر صرف پڑھنا مقصود ہوتا تو دیوبند اور دوسرے مدرسے بہت تھے، وہاں چلا جاتا، میں تو قطب سے پڑھنے کی نیت سے آیا ہوں۔ پھر ان حضرات نے بھی کہنا چھوڑ دیا کہ اس کو کوئی کیا سمجھائے۔

لیکن ایک مرتبہ اساتذہ نے کہا کہ سب طلباء عربی میں مضمون لکھیں تو بخاری پڑھنے والوں نے بھی لکھا، ہدایہ والوں نے بھی لکھا، میں شرح وقایہ پڑھ رہا تھا میں نے بھی لکھا۔ میرا مضمون پینتیس صفحہ کا تھا، عربی میں لکھنا آسان نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ محاسنِ اسلام میں نے پڑھا ہوا تھا، بس اس کو یاد کر کر کے میں نے خوب اس کی عربی بنا بنا کر لکھ دی، ماشاء اللہ۔ جب میں نے پڑھ کر سنایا تو میرے استاذ مولانا عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اختر کے اندر مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کرامت ہے، جتنے اوپر والے درجے کے تھے ان کا بھی ایسا مضمون نہیں۔

حضرت والا کے طالبِ علمی کے کچھ حالات

میں جو یہ اپنے حالات و واقعات آپ کو سنا رہا ہوں تو مجھے آپ حضرات کی خدمت میں نصیحت پیش کرنے کا حق حاصل ہے، کیوں؟ دیکھو! یہ مسجد کس کی ہے؟ یہ مسجد میرے شیخ کی ہے، جہاں بارہ سال میرے شیخ نے تقریر کی ہے، تو مسجد میں یہ بیان میں تھوڑی کر رہا ہوں مجھے بلوایا جا رہا ہے، مجھے یہ حق اس لئے بھی حاصل ہے کہ میں اسی مدرسے کا پڑھا ہوا ہوں اور میں نے اس مصیبت کے وقت پڑھا ہے جب یہاں ناشتہ تو دور کی بات ہفتہ میں صرف ایک دن گوشت ملتا تھا اور ایک دن سبزی، باقی دن دال اور دال بھی ایسی پتلی کہ طلباء کہتے تھے کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے، آج کل تو ماشاء اللہ مدارس میں طلباء کو بوٹیوں سے بھری پلیٹ ملتی ہے، آج زمانہ بدل گیا ہے، پہلے تو گوشت کھانے کو نہیں ملتا تھا اور آج طلباء کہتے ہیں کہ ہم گوشت کھاتے کھاتے تنگ آ گئے، اب دال کھلاؤ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو زیادہ پاپڑ بیلتا ہے یعنی مجاہدے کرتا ہے اس کو

درد بھرا دل بھی عطا ہوتا ہے۔ اب میں شکرادا کرتا ہوں کہ ایسے مدرسہ میں پڑھا جس میں نہ ناشتہ ملتا تھا نہ گوشت۔ بیت الخلاء کی کھڈیاں بھی ایسی تھیں کہ ہر کھڈی میں ڈیڑھ ڈیڑھ من پاخانہ نظر آتا تھا، اندر جاتے ہی کم سے کم پانچ ہزار مکھیاں حملہ کرتی تھیں، اوراگر دور جاتے تھے تو بہت وقت لگتا تھا لیکن اللہ والوں کی برکت سے، میرے پیرومرشد شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کی برکت سے یہ تکالیف کوئی خاص محسوس نہیں ہوتی تھیں۔ یوں سمجھو! ہمارا ناشتہ رُوحانی مناجاتِ مقبول سے، اشراق سے، ذکر اللہ سے اور تلاوت سے ہوتا تھا۔

علمِ دین اکثر افلاس کے ساتھ آتا ہے

تجربہ یہی ہے کہ ''جوانی'' میں اگر زیادہ ''فراوانی'' ہو، میرے الفاظ کو غور سے سنئے، میرے الفاظ مالک کی خاص عطا ہے، میں اسی مدرسے کا ادنیٰ طالب علم ہوں اور میں جس گاؤں کا رہنے والا ہوں میری بولی کا لڑکے مذاق اُڑاتے تھے لیکن میری لغت اور قافیہ کی رعایت کا خیال دیکھئے گا، ''جوانی'' میں دولت کی ''فراوانی'' سببِ ''طغیانی'' بن جاتی ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب دانت تھے تو چنے نہیں ملے اور جب دانت نہیں رہے تو اب بورے کے بورے چنوں کے چاروں طرف سے آرہے ہیں۔ کیونکہ جوانی میں دانت اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ اگر چنے بھی ہوں تو ان کی بھی خیر نہیں ہے، سب کو پیس کے رکھ دے گا۔ یہ تجربہ کی بات عرض کر رہا ہوں کہ علمِ دین اکثر افلاس کے ساتھ آتا ہے، کبھی اللہ مال والوں کو بھی دے دیتے ہیں لیکن تجربہ یہی ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا چکا کہ چاند کی روشنی میں پڑھتے تھے، چراغ میں تیل ڈالنے کے بھی پیسے نہیں تھے، ایسا افلاس تھا لیکن وہی بچہ جو اتنا غریب تھا اور چاند کی روشنی میں پڑھتا تھا، اسی سے اللہ تعالیٰ نے تفسیر روح المعانی لکھوائی۔

حضرت والا کے الفاظ میں راہِ سلوک کی تعریف

تو یہ عرض کررہا ہوں کہ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا کے بارے میں ایک چیز اور شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، حضرت کی تفسیر بھی موہوبی ہوتی تھی جیسے معلوم ہوتا تھا آسمان سے آمد کا انتظار ہورہا ہو، آنکھ بند کرتے اور فرماتے ہاں آ گیا آ گیا، جب آ گیا تو آنکھ کھول دیتے۔ تو فرمایا اس آیت میں حَسُنَ کا لفظ جو ہے یہ حسنِ رفاقت کی طرف اشارہ کررہا ہے، حسین رفاقت ہونی چاہیے، جتنا ہی اچھا ان کے ساتھ تعلق رکھو گے، ان کی محبت میں جتنا حسن ڈال سکو ڈالو، کیا مطلب؟ کہ پرواز میں ان کے ساتھ رہو کیونکہ سلوک اس بات کا نام ہے کہ شیخ خود چلے مرید کو ساتھ لے چلے۔ بازِ شاہی خود جب شاہ کے محل کی طرف چلے تو دوسری چڑیوں کو بھی بازِ شاہی بنانے کی اسکیم میں شامل کرلے، اسی لئے میں نے جو سلوک کی تعریف کی ہے وہ ایک انوکھی تعریف ہے:

”سلوک نام ہے صفاتِ کرگسیت کو صفاتِ شہبازیت سے تبدیل کرنے کا“

یعنی اس راہ میں کوّا، کرگس، گدھ یہ بازِ شاہی اور ہنس بنتے ہیں، ہنس موتی چگتا ہے، کوّا گُو کھاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ظالم شیخ کو بازِ شاہی سمجھ کر، اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے چل رہا ہو مگر اپنی صفاتِ کرگسیت بھی ختم نہیں کرتا مثلاً نظر بچا کر کبھی امرد کو دیکھ لیا، کبھی لڑکی کو دیکھ لیا تو گویا یہ کرگس ہے اور مردہ بھینس کو تلاش کرتا رہتا ہے، ڈھونڈتا رہتا ہے کہ کہیں مردہ بھینس پڑی ہوئی ہو، کوئی بیل پڑا ہوا مل جائے۔ تو بازِ شاہی کے ساتھ اس کا بظاہر جوڑ ہے لیکن اندیشہ ہے کہ اللہ اس کو اس خبیث حرکت پر بے نقاب کرکے اہل اللہ سے محروم نہ کردے۔ اس لئے اللہ والوں کی آہ کو اپنی باہ سے پامال مت کرو، انہیں کے ساتھ اُڑو، جو بات کہیں بس انہیں کی طرف متوجہ رہو، اگر قلب و جاں سے کوئی اپنے شیخ پر فدا ہوجائے تو ان شاء اللہ محروم نہیں رہے گا۔

اس زمانے میں طالب علموں کو بھی بیعت کر لینا چاہیے

اب دو تین باتیں نصیحت کی عرض کر دیتا ہوں۔ نمبر ۱: نصیحت یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ہدایۃ النحو کے زمانے میں بیعت فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ طالبِ علمی میں بیعت نہیں ہونا چاہیے، بے شک پہلے زمانے میں یہی مسئلہ تھا لیکن اب طالبِ علم ویسے فرشتے قسم کے طالبِ علم نہیں رہے، اب طالبِ علموں کے اندر وہ اخلاق نہیں رہے، اگر ان کو بیعت نہ کیا گیا اور انہوں نے اللہ اللہ نہ کیا تو وہ نفس وشیطان کے غلام بن جائیں گے، اب وہ علمی شغف و ذوق بھی نہیں رہا اس لئے اب تم کو طالبِ علمی کے زمانے میں بیعت کرتا ہوں۔ لہٰذا یہ میرے شیخ کا ہدایت کا ایک چراغ ہے کہ طالبِ علموں کو بھی بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں ورنہ طالبِ علم اگر شیطان ونفس کے سپرد ہو جائے تو طالبِ علمی ہی سے اس کے اندر آثارِ فاسقیت شروع ہو جاتے ہیں اور اگر طالبِ علمی میں تقویٰ پیدا ہو جائے تو اس کے اندر طالبِ علمی ہی سے آثارِ ولایت شروع ہو جاتے ہیں۔ میں نے اپنے پڑھنے کے زمانے میں چشم دید دیکھا ہے کہ جنہوں نے تقویٰ سے زندگی گزاری ان کی کیا عزت تھی، اور جو تقویٰ سے نہیں رہتے تھے ان کا علم بھی گیا اور وہ دین کی کسی خدمت کے لئے بھی قبول نہیں کئے گئے، دنیاوی کاموں میں لگ گئے، کوئی درزی بن گیا، کوئی موچی بن گیا، دین کا کوئی کام ان سے نہیں لیا گیا۔

یہی بات ہے کہ علماء جب اہلِ نسبت ہوتے ہیں تو ان کے علم کی برکت کو علمائے ظاہر نہیں پا سکتے اور حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی غیر عالم مرید ہو جائے، صوفی بن جائے، سالک بن جائے، اللہ اللہ کرے تو وہ صاحبِ نسبت ہو کر حاملِ صاحبِ نور ہو جاتا ہے لیکن جب کوئی عالم، کوئی مولوی اللہ والا بنتا ہے اور اپنے نفس کو کسی اللہ والے کے قدموں میں مٹاتا ہے،

اپنے نفس کی اصلاح کراتا ہے تو وہ خالی صاحبِ نور نہیں بنتا بلکہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے، علم کا نور الگ اور تقویٰ کا نور الگ۔

علم کی برکت اساتذہ کے ادب اور تقویٰ سے آتی ہے

دوسری نصیحت یہ ہے کہ علم کی برکت اساتذہ کے ادب اور تقویٰ پر ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب کا مقام دیکھئے کہ فرماتے ہیں میں نے کبھی کسی استاد کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا کہ استاد جی! پڑھائی کا وقت ہو گیا، جب وہ خود نکلتے تھے تب پڑھتے تھے، اور یہ ادب انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے عمل سے سیکھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن شریف اور قرأت سیکھنے جاتے تھے تو دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے بلکہ اپنے استاد کے باہر آنے کا انتظار کرتے تھے۔ جب اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ دروازہ کھولتے تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دروازہ پر بیٹھا دیکھتے۔ ایک دن حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن عباس! تمہیں یوں بیٹھا دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے، تم دروازہ کھٹکھٹا دیا کرو، میں جلدی نکل آیا کروں گا:

((فَاسْتَعْظَمَ ذٰلِكَ اُبَيٌّ مِنْهُ فَقَالَ لَهٗ يَوْمًا هَلَّا دَقَقْتَ الْبَابَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)، ج۲۶ ص ۴۱۲)

انہوں نے عرض کیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، میں خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا، سورۂ حجرات میں نبی کے لئے جو آداب ہیں وہی آداب آپ علمائے ربانین کے بھی ہیں، آپ اللہ کے دین کے عالم ہیں، نائبِ رسول ہیں، لہٰذا میں ہمیشہ آپ کا ادب ہی کروں گا، کبھی دروازہ نہیں کھٹکھٹاؤں گا، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾

(سورۃ الحجرات: آیۃ ۴)

اے نبی! جولوگ آپ کوآپ کے حجرہ کے باہر کھڑے ہوکر پکارتے ہیں، آوازیں دیتے ہیں یہ بے عقل لوگ ہیں۔تو ہم بے عقلی کا کام نہیں کریں گے کہ دروازہ کے باہر سے آپ کو پکاریں، میں اس خیر میں آنا چاہتا ہوں جس کی اللہ نے تعریف کی ہے:

((وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ))

(سورۃ الحجرات: آیۃ ۵)

کہ اگر یہ صبر کرتے، آپ کے باہر آنے کا انتظار کرتے تو یہ ان کے لئے خیر کی بات ہوتی۔تو میں اس خیر کو کیسے چھوڑ دوں؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَ قَدْ رَاَيْتُ هٰذِهِ الْقِصَّةَ صَغِيْرًا فَعَمِلْتُ بِمُوْجَبِهَا مَعَ مَشَائِخِيْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى ذٰلِكَ میں نے اس قصہ کو بچپن میں پڑھا تھا، اس کے بعد میں نے اپنے تمام اساتذہ کے ساتھ ادب کا یہی معاملہ کیا اور اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں۔(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ ج ۲۶ ص ۴۱۲)

صحبتِ اہل اللہ اور ذکر اللہ کا التزام رکھیں

تیسری نصیحت یہ ہے کہ کچھ ذکر کا، اللہ اللہ کرنے کا معمول بنالیں اور چوتھی نصیحت یہ کہ اہل اللہ کی صحبت سے کبھی مستغنی نہ ہوں۔دیکھئے! روشنی کے لئے دو چیزیں چاہئیں، ایک سورج یا چراغ دوسرے آنکھیں۔جیسے ایک حسی سورج ہے، کیا کسی اندھے کو سورج نظر آسکتا ہے؟ کیا سورج کی شعاعوں سے وہ استفادہ کرسکتا ہے؟ نہیں۔سورج کی روشنی آنکھ والوں کو مفید ہوتی ہے اور اگر کسی کی دونوں آنکھیں ہی نہ ہوں تو سورج بھی اس کی رہنمائی نہیں کرسکتا۔اب سمجھئے! قرآنِ پاک تو آفتاب ہے اور مومن کا قلب بغیر ذکر اللہ کے نابینا رہتا ہے، وحی الٰہی کا آفتاب بھی ایسے کو ہدایت نہیں دیتا جب تک کہ وہ اپنے قلب کی بینائی درست نہ کرلے۔اس لئے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کے

طلباء سے فرمایا کہ آج آپ نے بخاری پڑھ لی لیکن جاؤ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کر کے اللہ اللہ کرنا سیکھو تاکہ دل میں نور آئے، جب قلب میں نور ہوگا تو باطنی آنکھیں کھل جائیں گی جسے دل کی بصارت کہتے ہیں، پھر تمہیں اسی قرآنِ پاک اور حدیثِ پاک میں علمِ دین کچھ اور ہی نظر آئے گا۔

جو اللہ والوں پر فدا نہیں ہوتا وہ اللہ پر بھی فدا نہیں ہوسکتا

اور اس راہِ سلوک میں اللہ والوں کی صحبت کو کیا مقام حاصل ہے؟ اس کو اس بات سے سمجھیں کہ اہل اللہ کا درجہ اللہ نے جنت سے بھی زیادہ رکھا ہے، جنت کو درجۂ ثانوی میں رکھا ہے۔ اب اس پر میرے شیخ کی منطقی دلیل سنئے۔ دیکھئے! میرے حضرت بہت منطق اور معقولات کے امام تھے، حضرت نے اتنا منطق پڑھا تھا کہ آج کل کے اکثر علماء کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی، ایک ہی کتاب حضرت نے دو دو دفعہ پڑھی، ہمیں ایک ہی دفعہ پڑھنا مشکل ہے۔ جتنی کتابیں ہیں شمس بازغہ، صدرا، سلّم، قطبی وغیرہ یہ بار بار پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے آج خوب پڑھا، واقعی منطق کے امام تھے۔ تو فرمایا اللہ والے جنت سے کیوں افضل ہیں؟ کیا دلیل ہے؟ دلیل یہ ہے کہ مکین افضل ہوتا ہے مکان سے۔ کیسے؟

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَہَرٍ ○ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ○﴾

(سورۃ القمر: آیات: ۵۴،۵۵)

متقین اللہ کے پاس بیٹھے ہوں گے تخت پر۔ حضرت نے فرمایا کہ اہل اللہ جنت تو کیا عرشِ اعظم سے بھی افضل ہیں بوجہ ربِّ عرشِ عظیم کے قربِ خاص کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت جن کے صدقے میں ملے گی یہ اہل اللہ جنت سے بھی افضل ہیں، اسی لئے دوسری آیت میں جنت کو درجۂ ثانوی میں بیان کیا:

﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○﴾

(سورۃ الفجر: آیات: ۲۹،۳۰)

آہ! کیا عرض کروں دوستو! دین ملتا ہی اہل اللہ کے سینوں سے ہے، کتاب پڑھنے سے کمیت مل جاتی ہے، علم بھی ضروری ہے مگر کمیت بغیر کیفیت کے بالکل بیکار ہے، اللہ والوں سے کیفیت ملتی ہے جس سے مرید اپنے علم پر عمل کر کے اُڑ جاتا ہے، قوتِ پرواز عطا ہوتی ہے۔ طالب اور مرید اپنے شیخ کی صحبت کی برکت سے اپنے قلب میں اس قوتِ پرواز کو محسوس کرتا ہے جس سے خود بخود اُڑ جاتا ہے، جو کبھی نماز نہیں پڑھتا تھا نماز پڑھنے لگتا ہے، جس کو نظر کی حفاظت مشکل تھی اب جان لڑا کر نظر اور دل کی حفاظت کرنے لگتا ہے، اللہ کی یاد میں تڑپتا ہوا دل اور برستی ہوئی آنکھیں نصیب ہوجاتی ہیں۔ اگر پرواز حاصل کرنی ہے تو کسی اللہ والے پر فدا ہونا سیکھو، جو اللہ والوں پر فدا نہیں ہوا وہ اللہ پر بھی فدا ہونا نہیں سیکھ سکتا۔ سمجھ لو یہ بات!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی وجہ

چنانچہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جس مقام سے فدا ہوئے اس مقام سے کوئی صحابی فدا نہیں ہوا، آپ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر ہیں:

((اَبُوْبَكْرِ ِالصِّدِّيْقُ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ فَعُمَرُ بَعْدَهٗ فَعُثْمَانُ بَعْدَهٗ فَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ بَعْدَهٗ))

(اتمام الدرایۃ للسیوطی، ج ۱ ص ۱۰۱)(التعلیق الممجد علی موطأ محمد لعبد الحی الھندی)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سارے پیغمبروں کے صحابہ کرام اور ہمارے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان ایک پلڑے پر اور صدیق کا ایمان دوسرے پلڑے پر رکھا جائے تو یہ بڑھ جائے گا، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے لیکن یہ درجہ انہیں کس وجہ سے ملا؟ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! سن لو کہ صدیق کی فضیلت کس وجہ سے ہے؟

((مَا فُضِّلَ اَبُوْ بَکْرٍ النَّاسَ بِکَثْرَۃِ صِیَامٍ وَّلَا صَلٰوۃٍ وَّلَا بِکَثْرَۃِ رِوَایَۃٍ وَّلَا فَتْوٰی وَلَا کَلَامٍ وَّلٰکِنْ بِشَیْءٍ وُّقِّرَ فِیْ صَدْرِہٖ۔ اخرجہ الترمذی الحکیم فی النوادر من قول ابی بکر بن عبد اللہ المزنی ولم اجدہ مرفوعا))

(تخریج احادیث الاحیاء: المغنی: ج۱ص ۳۲، مرقاۃ المفاتیح: ج۱۱ص ۲۷۴۔ رقم ۶۱۲۰)

یہاں الناس میں الف لام استغراق کا ہے یعنی تمام غیر نبی اس میں شامل ہیں، نبی شامل نہیں کیونکہ وہ دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں، وہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ تو ہوتے ہیں لیکن یُوْحٰی اِلَیَّ کی وجہ سے ان کے درجات کو کوئی غیر نبی نہیں پا سکتا کیونکہ ان کی طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمام انسانیت پر فضیلت کثرتِ عبادت کی بناء پر نہیں دی گئی، بعض صحابہ ان سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔اس سے سبق لینا چاہیے کہ اگر کوئی اللہ والا اپنے ضعف اور کمزوری سے کم عبادت کرے تو اس کو حقیر مت سمجھو، یہ مراقبہ کرو کہ اس کی دو رکعات تمہاری لاکھ رکعات سے افضل ہے کیونکہ وہ جس یقین واخلاص سے عبادت کرے گا وہ تمہیں حاصل نہیں ہے، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارفین کی دو رکعات غیر عارف کی ایک لاکھ رکعات سے افضل ہے۔فوکر جہاز جمبو جیٹ کو نہیں پا سکتے، یہ چار چھ آدمیوں کو بٹھلا کر ہچکولے لیتے ہوئے چلتے ہیں اور جمبو چار پانچ سو آدمیوں کو لے کر اُڑ جاتا ہے، کیا دونوں برابر ہو جائیں گے؟ اس لئے فہمِ سلیم مانگنا چاہیے۔تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر جو فضیلت حاصل ہوئی وہ زیادہ عبادت سے نہیں ملی، نہ ان کی روایات زیادہ ہیں، نہ ان کی دیگر نفلی عبادات بہت زیادہ ہیں لیکن ان کے سینہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا عظیم الشان درد تھا کہ ہر وقت سر ہتھیلی پر لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اپنی جان فدا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، یہی چیز انہیں اُڑا کر لے گئی۔

کیونکہ جب تک دل میں محبت نہ ہو بیٹھنے کا نفع نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی

محبت ان کے لئے واجب ہے جو محبت سے آپس میں بیٹھتے ہیں، وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ تحابُب تجالُس پر مقدم ہے، اپنے شیخ اور مربی کے پاس بیٹھنے سے، اہل اللہ کے پاس بیٹھنے سے جس کے دل میں جتنی محبت زیادہ ہوگی اس کو زیادہ نفع ہوگا، دلیل اس کی یہی حدیثِ قدسی ہے۔ محبت کلّی مشکک ہے جس میں درجات متفاوت المراتب ہوتے ہیں، کماً بھی کیفاً بھی، کیفاً کیسے کہ ایک پانی کم ٹھنڈا ہے اور دوسرا زیادہ ٹھنڈا ہے اور تیسرا بہت زیادہ ٹھنڈا ہے اور ایک میر صاحب والا وہ پانی ہے جو پانی میں برف نہیں ہے بلکہ برف میں پانی ہے تو جس کی محبت اپنے شیخ کے ساتھ جتنی تیز ہوگی اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے لئے واجب ہوجائے گی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب میں سارے صحابہ سے زیادہ محبت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی، جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا تَحَابُبْ فِیَّ سب سے قوی تر تھا تو وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ بھی سب سے قوی ہوگئی، عطائے محبت بھی اللہ کی طرف سے نہایت تیز والی ملی کہ ان کا کوئی ثانی نہ ہوسکا۔ یہ نعمت ان کو اپنے مربی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے ملی، یاد رکھو! جتنی منزل قیمتی ہوتی ہے اس کا راستہ بھی قیمتی ہوتا ہے اور اس راستے کے غم اور زخمِ حسرت تمام عالم کی خوشیوں سے قیمتی ہوتے ہیں، اللہ کے راستے کا ایک کانٹا سارے عالم کے پھولوں سے افضل ہوتا ہے۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے پاس رہنے سے کیا ملتا ہے؟ علماء بھی کہتے ہیں کہ صاحب! درسِ نظامی میں دس سال لگا کر ہم پاس ہوئے، اب مزید چالیس دن، چھ ماہ کسی اللہ والے کے پاس کیوں لگائیں؟ لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ تمہارے وہ دس سال جبھی کامیاب ہوں گے جب اہل اللہ کی صحبت مل جائے گی ورنہ منبر ہوگا، تقریر ہوگی مگر اس تقریر میں روح نہیں ہوگی، علم کا گولا ہوگا مگر اس میں اللہ کے دردِ محبت کا رس نہیں ہوگا۔

مرتے دم تک اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا حکم ہے

پانچویں نصیحت یہ ہے کہ اگر شیخ کا انتقال ہوجائے دوسرا کوئی مربی کرلو، بزرگوں کے سائے میں رہو۔ یہ کہاں سے ثابت ہے؟ یہ بھی اسی آیت سے ثابت ہے کیونکہ کُوْنُوْا امر ہے، امر بنتا ہے مضارع سے، مضارع میں حال اور استقبال دو زمانے ہوتے ہیں اور تجددِ استمراری کی شان ہوتی ہے، کیا مطلب کہ اس وقت بھی اہل اللہ کے ساتھ رہو اور آئندہ بھی ان سے مستغنی نہ ہوجانا۔ ساری زندگی اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا حکم ہے اور اگر بڑے سب دنیا سے چلے گئے تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ لیتے رہو، بعض لوگ شیخ ہوگئے تو پھر اپنے کو مستقل بالذات سمجھنے لگے، مستقل بالذات اپنے کو نہ سمجھو ورنہ پھر وہ مستقل بد ذات ہوجاتا ہے، یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، لہٰذا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں ؎

ہیں بیا در کشتیٔ بابا نشیں

اے بھائیو! کسی بابا، اللہ والے کی کشتی میں بیٹھ جاؤ، اللہ والوں کی کشتی میں بیٹھنے میں دیر نہ کرو کیونکہ جتنے اولیاء اللہ ہیں یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کے نائب ہیں ان کی کشتی تمہیں گمراہی کے طوفان میں غرق ہونے سے بچا سکتی ہے ؎

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
گو نشیند با حضورِ اولیاء

فرماتے ہیں کہ جس شخص کا دل چاہے کہ وہ اللہ کے پاس بیٹھے تو اس سے کہو کہ اولیاء اللہ کے پاس بیٹھ جائے کیونکہ حدیثِ قدسی ہے:

﴿اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ﴾

(شعب الایمان للبیہقی: (مکتبۃ الرشد ریاض)، فصل فی ذکر اللہ عزوجل، جزء ۲ ص ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ میری یاد میں لگے ہیں میں ان کے

پاس ہوتا ہوں، ان کا ہم نشین ہوتا ہوں۔ اس لئے اولیاء اللہ کے قلوب حق تعالیٰ کی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہیں، جو اِن کا جلیس ہے گویا وہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔

جو اہل اللہ سے مستغنی ہوا وہ اللہ سے دور ہو گیا

نیز مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اہل اللہ کی صحبت سے اپنے کو مستغنی قرار دے، چاہے مشغولیت کی وجہ سے یا ان کو حقیر سمجھ کر تو وہ اللہ والوں سے دور نہیں ہوا، درحقیقت وہ خدا سے دور ہو گیا۔

چوں شوی دور از حضورِ اولیاء
در حقیقت گشتۂ دور از خدا

جیسے اگر کوئی عطر کی شیشی کے پاس بیٹھا ہے تو گویا وہ عطر ہی کے پاس بیٹھا ہے، جو عطر کی شیشی سے دور ہوا در حقیقت عطر سے دور ہو گیا کیونکہ عطر اس کو شیشی کے واسطے ہی سے ملے گا، عطر کی شیشی سے استغناء عطر سے استغناء ہے، اور فرمایا۔

طبعِ نافِ آہویست ایں قوم را
از بروں خوں و اندروں شاں مشک ہا

اہل اللہ کی شان ایسی ہے جیسے ہرن کی ناف کہ اس کے اوپر خون ہے اور اندر مشک بھرا ہوا ہے، ناف کا ظاہر گوشت اور خون ہے کہ اگر کاٹو تو خون بہے گا لیکن اس کے باطن میں مشک بھرا ہوا ہے جس کی قیمت لاکھوں کی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اہل اللہ کے ظاہر کو مت دیکھو کہ ان کے بھی ہماری طرح ناک، کان ہیں، یہ بھی ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں، ان کو بھی پیشاب پاخانے کی حاجت ہوتی ہے، اگر ان کے ظاہر کو دیکھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے لہٰذا ان کے باطن پر نظر رکھو جس میں نسبت مع اللہ کا موتی چھپا ہوا ہے۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خُور

بعض لوگ اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے ہی جیسا گمان کرتے ہیں جیسے ہم بشر ہیں ایسے ہی یہ بھی بشر ہیں، جیسے ہم کھاتے ہیں ایسے ہی یہ بھی کھاتے ہیں، یہ بھی کھانے پینے اور سونے کے محتاج ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے دل کے اندر ایک موتی چھپا ہوا ہے، اس کا نام ہے تعلق مع اللہ کا موتی، نسبت مع اللہ کا موتی، اللہ کی محبت کا موتی، اس لئے اللہ والوں کے جسم کو نہ دیکھو، ولایت کے اس موتی کی قیمت کو پہچانو ورنہ تم بھی ابلیس کی طرح گمراہ ہو جاؤ گے اور اللہ کی محبت سے محروم مرو گے۔

صحبتِ اہل اللہ کے ساتھ گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے

میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج کل کمی دو چیزوں کی ہے، یا تو صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت نہیں پہچانتے اور اگر کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ حاصل ہے تو گناہوں سے بچنے کا مجاہدہ نہیں اٹھاتے۔ بہت سے لوگ اللہ والوں کے ساتھ رہتے ہیں لیکن اس میں ایک شرط اللہ تعالیٰ نے اور لگا دی، وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا مجاہدہ بھی کرو۔ میرے حضرت مجھے جونپور لے گئے اور فرمایا دیکھو! یہاں اگر اس عمل کو سمجھ لو تو ولی اللہ بننے کا نسخہ سمجھ میں آجائے گا کہ صالحین کی صحبت اور مجاہدہ سے آدمی ولی اللہ کیسے بنتا ہے؟ فرمایا جیسے تلی گل روغن بنتی ہے، میں نے عرض کیا ذرا تفصیل بتا دیجئے۔ فرمایا دیکھو! تلیوں کو رگڑ رگڑ کر ان کی بھوسی چھڑائی ہوئی ہے، صرف ایک ہلکا سا غلاف رہ گیا ہے کہ اگر اس میں سوئی چبھو دو تو تیل باہر آجائے، تو اگر ان تلیوں نے مجاہدہ نہ کیا ہوتا تو گلاب کے پھولوں میں چاہے سال بھر رہتیں وہ خوشبو ان کے موٹے غلاف میں نفوذ نہ کرتی۔ لہٰذا مجاہدے کی برکت سے مرید کے اندر شیخ کے کمالات کو جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اس تلی نے بھوسی چھڑوائی، اب گلاب کے پھولوں میں اس کو بسایا ہوا ہے، اس کے بعد کولہو میں اس کو پیلا جائے گا، مجاہدے سے

گزارا جائے گا، پھر گل روغن بنے گا۔ اب جب گل روغن ہوگیا تو اس کا نام بدل گیا، کام بدل گیا، دام بدل گیا، پہلے دس روپے کلو تھا اب سو روپے کلو ہوگیا۔ اب اگر کوئی شخص کہتا ہے، اے گل روغن صاحب! ہمیں پتا ہے کہ آپ پہلے تلی تھے، آپ بہت زیادہ ناز اور نخرے مت دکھایئے تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نالائق شخص ہے، جب وہ گل روغن ہوگیا تو اس کے ماضی پر تبصرہ مت کرو ورنہ وہ ہتکِ عزت کا مقدمہ دائر کردے گا۔

روغنِ گل روغنِ کنجد نماند
آفتابے دید او جامد نماند

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روغنِ گل اب تلی کا تیل نہیں رہا اور جب برف نے آفتاب دیکھ لیا اور پگھل کر پانی ہوگئی، اب اس کو برف مت کہو، کیونکہ وہ جامد نہیں رہی، صفت برف ختم کرچکا ہے، اللہ کے خوف سے پانی ہوگیا۔ تو حضرت نے فرمایا اسی طرح اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے اور گناہوں سے بچنے کے مجاہدے سے سالک اللہ والا بن جاتا ہے۔

عبدالحفیظ شاعر کی توبہ و بیعت کا واقعہ

اسی جونپور میں عبدالحفیظ جونپوری ایک آل انڈیا شاعر تھے، انہوں نے ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا جو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، جونپور میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے، آخر میں پھر کراچی چلے گئے تھے، ان سے کہا کہ آپ تو ایل ایل بی تھے اور اب ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہوگئے مگر یہ گول ٹوپی، یہ لمبا کرتہ پاجامہ، یہ سب آپ کو کہاں سے ملا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی تھانہ بھون میں ایک بزرگ ہیں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، میں ان کی خدمت میں جاتا ہوں، ان کی صحبت نے ہمیں یہ کردیا، خواجہ صاحب بھی اسی طرح بن گئے اور ہم لوگ اپنے شیخ کی شان میں یہی شعر پڑھ رہے ہیں۔

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

اے میرے حکیم الامت! مجددِ زمانہ! تیری صحبت نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا۔ لہٰذا عبدالحفیظ صاحب جونپور سے تھانہ بھون پہنچے، وہاں بھی حجام کو بلایا اور جو ذرا ذرا سی داڑھی نکل آئی تھی، وہ بھی منڈوا دی، پھر حضرت کی خدمت میں گئے اور کہا حضرت! بیعت کر لیجیے، میں آل انڈیا شاعر عبدالحفیظ جونپوری ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں، آپ کا دیوانِ حفیظ مشہور ہے، آپ بڑے شاعر ہیں لیکن جب بیعت ہی ہونا تھا تو جو تھوڑا تھوڑا نور نکل آیا تھا ظالم تو نے اسے کیوں منڈا دیا؟ انہوں نے کہا حضرت! آپ حکیم الامت ہیں، میں مریض الامت ہوں، مریض کو چاہیے کہ طبیب کے سامنے اپنا پورا مرض ظاہر کر دے، آپ اطمینان رکھیے، اب کبھی استرا نہیں لگے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، حضرت ہنس پڑے اور بیعت کر لیا۔ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک سال بعد حضرت حکیم الامت جونپور جب تشریف لائے تو مجھ سے پوچھا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟ اتنی بڑی داڑھی ہو چکی تھی۔ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے کہا حضرت! یہ وہی بڑے میاں ہیں جو آپ کے پاس اَپ ٹو ڈیٹ گئے تھے اور اب اللہ کے عشق و محبت میں ڈیٹ ایکسپائر ہو چکے ہیں، یعنی اس شخص نے اپنے نام و نشان کو مٹا دیا۔ شراب بھی پیتے تھے، شراب سے بھی توبہ کر لی، شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کا اتنا اچھا خاتمہ ہوا کہ ان پر موت سے تین دن پہلے اللہ کا خوف طاری ہو گیا، شمال سے جنوب، جنوب سے شمال تڑپتے تھے اور اللہ سے کہتے تھے میرے ماضی کی تمام بھیانک اور تاریک زندگی کو اپنی رحمت سے معاف کر دیجیے، اسی حالت میں ایمان پر خاتمہ ہوا۔ اور جاتے جاتے اپنے دیوانِ حفیظ میں تین اشعار کا اضافہ کر گئے۔ دیکھیے!

کیا درد بھرے اشعار ہیں، اللہ والے کا شعر ہے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو

اس کو کہتے ہیں ندامت، اس کو کہتے ہیں شریف بندہ، وہ ظالم کیا شریف بنتا ہے جو کھلم کھلا خدائے تعالیٰ کو بے حیائی کے ساتھ اپنی نافرمانی میں پیش کرتا ہے۔ کبھی خطا ہو جائے تو بہ کرلو ؎

گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
کرے بیعت حفیظؔ اشرف علی سے
بہ ایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

جگر مرادآبادی کی توبہ و بیعت کا واقعہ

اسی طرح جگر شاعر نے بھی دیکھا کہ بہت سے لوگ جو دنیا دار تھے، اللہ والے بن رہے ہیں، اس وقت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے، جگر صاحب نے ان سے کہا کہ میرا دل اب دھڑک رہا ہے، قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا؟ اور یہ شعر پڑھا ؎

پینے کو تو بے حساب پی لی
اب ہے روزِ حساب کا دھڑکا

کیا تھانہ بھون میں میری بھی اصلاح ہو سکتی ہے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ان شاء اللہ ضرور ہو سکتی ہے۔ جگر صاحب نے کہا کہ مگر ایک شرط ہے، کیا آپ کے شیخ مجھے خانقاہ میں شراب پینے دیں گے؟ آہ! کیا سادگی ہے ظالم کی۔

یہ بڑا ہی ذہین شاعر تھا یعنی ہمارے یہاں گورنر عبد الرب نشترؔ سے جب ملنے گیا تو سیکورٹی پولیس نے اس کو دھکا دے دیا، الول جلول سا تھا، تو اس نے گورنر کو ایک پرچہ پر یہ لکھ کر بھیج دیا، گورنر بھی شاعر تھا، نشترؔ تخلص کرتا تھا۔

نشترؔ سے ملنے آیا ہوں میرا جگرؔ تو دیکھ

جیسے ہی پرچہ اندر گیا، گورنر سمجھ گیا اور دوڑا ہوا آیا، بہت معافی مانگی کہ آپ کے ساتھ کیا گستاخی ان لوگوں نے کر دی۔ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ جگر صاحب سے یہ کہہ دیجئے کہ اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے یہاں کافر کو ٹھہراتے تھے تو میں ایک گنہگار مسلمان کو کیوں نہیں ٹھہرا سکتا؟ خانقاہ میں شراب پینے نہیں دوں گا، جگر کو میں اپنے گھر میں ٹھہراؤں گا، اشرف علی کا ذاتی مکان اس کے لئے وقف ہے جو چاہے کرے۔ جگر صاحب خوش ہو گئے اور بغل میں اپنی بوتل سنبھالے پہنچ گئے۔ واہ! کہا حضرت بیعت کر لیجیے، توبہ کرا دیجئے اور چار باتوں کی دعا دے دیجئے، (۱) شراب چھوڑ دوں (۲) داڑھی رکھ لوں (۳) حج کر آؤں اور (۴) میرا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ حضرت حکیم الامت نے اللہ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دئے۔

جی اٹھے مردے تری آواز سے

جگر صاحب لوٹ آئے، توبہ کر لی، اللہ والوں کی دعا کی کرامت تو دیکھو!

سلطانِ بلخ کے ہاتھ پر ایک شرابی نوجوان کی توبہ کا واقعہ

ایک شرابی نوجوان کے منہ پر مکھیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور قے کر رہا تھا، سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہائے! یہ مسلمان ہو کر شراب پیتا ہے، پھر سوچا میرے اللہ کا بندہ ہے اگرچہ گنہگار ہے، گندی حالت میں ہے مگر اللہ کا تو ہے۔ دوڑے گئے، بالٹی میں پانی لائے، یہ سلطنتِ بلخ خدا کے نام پر فدا کرنے والا شخص ہے، سید السالکین اور اپنے وقت کے اولیاء کے طبقہ کی

زبردست ممتاز شخصیت۔اس کا چہرہ صاف کیا،مکھیاں ہٹائیں،قے صاف کی،جب ٹھنڈا پانی منہ پر لگا تو اس کو ہوش آ گیا۔اس نے کہا ارے! آپ کہاں سے آ گئے؟ آپ کو تو میں پہچانتا ہوں کہ آپ نے سلطنت اللہ پر فدا کی اور فقیری اختیار کی، مجھ جیسے نالائق کے ساتھ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کہنے لگے بیٹا! مکھیاں بھنک رہی تھیں،شراب زیادہ پینے سے تم قے کر رہے تھے،مجھے رحم آیا کہ میرے اللہ کا بندہ ہے،مخلص دوست وہی ہے جو اپنے دوست کے بچے کے لئے دعا کرے، اس کی فکر کرے، یہ نہیں کہ اسے حقیر سمجھے لہٰذا میں نے تمہارا منہ دھو دیا اور تمہاری قے صاف کر دی۔تو اس نے کہا کہ میرا خیال تو یہ تھا کہ اللہ والے گنہگاروں کو حقیر سمجھتے ہیں،ان سے نفرت کرتے ہیں لیکن واللہ آپ جیسے شفیق اور مہربان کو دیکھ کر میرا تو عقیدہ درست ہو گیا کہ اللہ والوں سے بڑھ کر دنیا میں شانِ رحمت والا بھی کوئی نہیں ہے، ہاتھ بڑھایئے ،وَاللّٰہِ لَا اَشْرَبُ خَمْرًا اَبَدًا خدا کی قسم اب کبھی شراب نہیں پیوں گا، میں آپ کے ہاتھ پر شراب سے توبہ کرتا ہوں ؎

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں
نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب وگریباں کو

سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبہ کیا کہ اس تائب کا کیا مقام ہے؟ منکشف ہوا کہ اس وقت کے روئے زمین پر جتنے اولیاء اللہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اونچا اس کا مقام کر دیا۔

شیخ کے مجاہدات کا فیض مرید کو بھی پہنچتا ہے

محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح مرقاۃ میں لکھتے ہیں، یہ گل بکاؤلی یا اردو ڈائجسٹ کا قصہ نہیں ہے، یہ میں عربی کتابوں کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں

کہ سلطان ابراہیم ابن ادھم کواللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی، انہوں نے عرض کیا یا اللہ! آپ نے ایسے شرابی کوجس نے صرف میرے ہاتھ پرتوبہ کی، ابھی نہ تہجد پڑھی، نہ ضربیں لگائیں، نہ حج کیا، نہ عمرہ کیا اوراولیاء اللہ کا اتنا اونچا مقام دے دیا، یہ کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خواب ہی میں ان کو جواب عطا فرمایا کہ اے ابراہیم ابن ادھم! تونے میری محبت میں سلطنت چھوڑی، دس سال غارِ نیشا پور میں عبادت کی، میری محبت میں تونے اس کا منہ دھویا، قے صاف کی:

((اَنْتَ غَسَلْتَ وَجْهَهٗ لِاَجْلِیْ فَغَسَلْتُ قَلْبَهٗ لِاَجْلِكَ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛باب اسماء اللہ تعالیٰ؛ ج ۵ ص ۱۷۱)

تونے میری خاطر کی، میں نے تیری خاطر کی، تونے میری محبت میں میرے اس گنہگار بندے کا چہرہ دھویا، میں نے تیری خاطر سے اس کا دل دھودیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی خاطر بھی کرتا ہے، ان کے مجاہدات کا فیض اس طرح بھی سالک کو پہنچ جاتا ہے۔ دوستو! شاٹ کٹ راستہ، مختصر راہ سے ولی اللہ بننے کا نسخہ یہی ہے کہ کسی اللہ والے پر فدا ہو جاؤ، میرے ضلع کا شاعر نازش پرتاب گڑھی کہتا ہے ؎

وہ چشمِ ناز بھی نظر آتی ہے آج نم
اب تیرا کیا خیال ہے اے انتہائے غم
آؤ دیارِ دار سے ہو کر گذر چلیں
سنتے ہیں اس طرف سے مسافت رہے گی کم

صحبتِ اہل اللہ سے حسنِ خاتمہ نصیب ہوتا ہے

تو اللہ والوں کی برکت سے کبھی وہ مقام نصیب ہوجاتا ہے جو ہزاروں سال کی تہجد سے نہیں ملتا اور سب سے بڑھ کر حسنِ خاتمہ نصیب ہوتا ہے، حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میرے پاس ملفوظات حسن العزیز کا

حوالہ موجود ہے، کہ اللہ والوں کے صحبت یافتہ کا دائرہ اسلام سے خروج نہیں ہوسکتا جبکہ شیطان نے کتنی عبادت کی مگر ظالم مردود ہونے سے نہیں بچ سکا۔اس لئے فرمایا کہ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں جتنے اولیاء اللہ کے صحبت یافتہ ہیں ان کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔حضرت کی اس بات کی دلیل، اختر بخاری شریف سے نقل کرتا ہے کیونکہ مولوی بغیر دلیل نہیں مانتا۔یہاں میرے استاذِ محترم مدظلہ بھی تشریف فرما ہیں، میرے استدلال کی وہ بھی تصدیق فرمائیں گے۔بتایئے! ہم سب اللہ والوں سے کس لئے محبت کرتے ہیں؟ کوئی خون کا رشتہ نہیں ہوتا، نہ کوئی زبان اور نہ صوبائیت نہ تجارت، وہاں تو سب سے بڑا اللہ کی محبت ہی کا رشتہ ہے، تو بخاری شریف میں ہے:

((ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ:......وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)؛ کتاب الایمان؛ باب حلاوۃ الایمان؛ ج۱ص۷)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں جو کسی سے اللہ کے لئے محبت کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو حلاوتِ ایمانی عطا فرماتے ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

((وَقَدْ وَرَدَ اَنَّ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَّا تَخْرُجُ مِنْهُ اَبَدًا فَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى بِشَارَةِ حُسْنِ الْخَاتِمَةِ لَهٗ))

(مرقاۃ المفاتیح:(رشیدیہ)؛ کتاب الایمان؛ ج۱ص۱۴۱)

حلاوتِ ایمانی وہ دولت ہے جو اللہ دے کر پھر واپس نہیں لیتا، یہ شاہی عطیہ ہے، شاہ اپنا عطیہ واپس نہیں لیتا، اللہ دیتا ہی اس کو ہے جس کو ہمیشہ کے لئے دیتا ہے لہٰذا اس میں اس کے حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔کیوں بھئی! بخاری شریف کی دلیل کیا کمزور ہے؟ کیا ملا علی قاری کی یہ شرح کمزور ہے؟

جگر شاعر کے داڑھی رکھنے کا واقعہ

خیر! جگر صاحب واپس آ گئے اور انہوں نے شراب چھوڑ دی، یو پی کے ڈاکٹروں کے بورڈ نے دیکھا کہ بیمار پڑ گئے کیونکہ پرانی عادت تھی تو ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ جگر صاحب! آپ کی زندگی بہت عزیز ہے، آپ بین الاقوامی شاعر ہیں، شعر و سخن کے آپ بادشاہ ہیں، ہم آپ کا علاج بادشاہوں کی طرح کریں گے لیکن آپ تھوڑی سی ہماری بات مان لیں کہ شراب کو تھوڑا تھوڑا کم کریں، ایک دم سے نہ چھوڑیں۔ تو جگر صاحب نے کہا اگر میں تھوڑا تھوڑا پیتا رہوں گا تو کب تک جیتا رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ امید ہے کہ آٹھ دس سال مزید جی جائیں گے۔ کہا ایسا نہ ہو کہ تھوڑا تھوڑا پیتے پیتے ایک دن موت آ گئی تو میں خدا کے غضب، اللہ کی نافرمانی اور قہر کی حالت میں دنیا سے چلا جاؤں، اس سے بہتر ہے کہ شراب چھوڑنے سے اگر جگر کو ابھی موت آتی ہے تو میں ابھی اللہ پر اپنی جان دینے کے لئے تیار ہوں کیونکہ اس کی رحمت کے سائے میں مروں گا، توبہ کی راہ میں مروں گا۔ اللہ نے مدد کر دی، ان کی اس ہمت پر اللہ نے توفیقِ توبہ دے دی اور شراب بالکل چھوٹ گئی، اس کے بعد حج بھی کر آئے۔ لیکن جب داڑھی رکھی تو یہ بڑا مشکل مسئلہ ہوتا ہے، داڑھی رکھنا بہت مشکل پرچہ ہے کیونکہ سب سے پہلے بیوی کہتی ہے کہ یہ کیا ملّا بن رہے ہو؟ خبردار! اپنے گالوں کو میرے گالوں جیسا رکھنا۔ اکبر کہتا ہے میں برٹش کی فوج سے نہیں ڈرا لیکن بیوی کی نوج سے ڈر جاتا ہوں ؎

اکبر نہیں ڈرے کسی برٹش کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیوی کی نوج سے

اس کے بعد سارے معاشرے میں تبصرے شروع ہو جاتے ہیں کہ ارے کہاں سے تم ملّا ہو رہے ہو؟ حالانکہ ایک مشت داڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے،

امام احمد ابن حنبل، امام شافعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم چاروں اماموں کا اجماع ہے ایک مشت داڑھی رکھنے پر، جس کا جی چاہے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''داڑھی کا وجوب'' پڑھ لے۔ ہندوستان میں ایک شخص نے داڑھی رکھی تو مذاق شروع ہوا، لوگ خوب ہنسے، انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت! جب سے داڑھی رکھی ہے لوگ ہنس رہے ہیں۔ فرمایا لوگوں کو ہنسنے دو، تمہیں قیامت میں رونا نہیں پڑے گا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گے کیونکہ بیداری میں جو لوگ ایسے گئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے نفرت کا اظہار فرمایا، خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اپنی داڑھی میدانِ محشر میں اس طرح پیش کروں گا ؎

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

اگر سکھ اپنے گرو نانک کے عشق میں داڑھی رکھتا ہے تو ہم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں ہم داڑھی رکھ لیں کیونکہ اگر قیامت کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ ظالم! میرے امتی! میری شکل میں تجھے کیا عیب نظر آیا کہ جو میرے جیسی شکل نہیں بنائی، تب جو جواب دو گے وہ ابھی سے سوچ لو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ جب جگر صاحب نے پوری داڑھی رکھی تب بمبئی میں انہوں نے خود کو آئینے میں دیکھا تو یہ شعر پڑھا ؎

چلو دیکھ آئیں تماشہ جگرؔ کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا

یہ جگر پر ایک کیفیت طاری تھی ورنہ داڑھی منڈانے سے کوئی کافر تھوڑی ہوتا ہے، مگر کسی محبوب کو بھی کافر کہہ دیتے ہیں جیسے بڑا کافر ادا ہے، ارے بڑا ہی ظالم ہے، وہ ظالم نہیں ہوتا، یہ تعبیرِ محبوبیت کے مختلف عنوانات ہیں۔

اہل اللہ کے دل کی مثال قیمتی موتی کی ہے

تو دوستو اور بزرگو! حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے کیا ملتا ہے؟ ہمیں تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا، تو فرمایا کہ جب کئی مریض کسی ڈاکٹر کے علاج سے اچھے ہو جائیں تو تم بھی اس سے علاج کرا کر دیکھ لو۔ لہٰذا سال دو سال کسی اللہ والے کے پاس بیٹھ کر دیکھو کہ کیا تھے اور کیا ہو گئے، آپ کا دل خود فیصلہ کرے گا۔ اگر اللہ والوں کے پاس کچھ نہیں ملتا تو لوگ کیوں ان کے پاس جاتے؟ اہل اللہ کو دل عطا کیا جاتا ہے، نبیوں کو سینے میں دل ہی تو دیا جاتا ہے، یہ دل ہی ان کا اللہ سے خاص معاملہ ہے جہاں سب کچھ ملتا ہے، اگر جسم کو ملتا تو دنیا میں کوئی کافر نہ رہتا، سب ایمان لے آتے لیکن بڑے بکسے میں ایک چھوٹا بکسہ ہوتا ہے جو سب کو نظر نہیں آتا کہ اس میں کتنا قیمتی موتی ہے؟ جسم تو بڑا بکسہ ہے لیکن اس کے اندر چھوٹے صندوقچہ میں جو چیز ہوتی ہے اس سے بڑے بکسے کی بھی قیمت لگ جاتی ہے۔

اسی قلب کی درستی، قلب کا سنورنا، دل کو بنانے کے لئے خانقاہوں میں محنتیں کی جاتی ہیں، بڑے بڑے انگریزی داں لوگ خانقاہوں میں پہنچے، ڈاکٹر عبد الحئی صاحب، ایل ایل بی اور خواجہ صاحب، ڈپٹی کلکٹر، تھانہ بھون پہنچے، یہ لوگ کس لئے گئے تھے؟ اسی دل کے بنانے کے لئے تو گئے تھے ؎

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

دل بنانے پر ہی تو ساری محنتیں ہوتی ہیں، جب یہ دل بن جاتا ہے تو قلب پاک ہونے کے بعد اللہ پاک ہے پاک دل میں آتا ہے۔ قلب کی اصلاح، تزکیۂ نفس اس لئے ضروری ہے، دل ہی کی اصلاح کے لئے اہل اللہ کی صحبتیں

اٹھائی جاتی ہیں۔ دیکھئے! انڈا مرغی کی صحبت سے کہاں سے کہاں پہنچتا ہے کہ حیات آجاتی ہے اور ٹونٹ مار کر باہر آجاتا ہے۔

سوءِ قضا کے حسنِ قضا سے بدلنے کی دلیل اور مسنون دعا

تو دوستو! اہل اللہ کی صحبتوں میں قلب سنورتا ہے اور دل بن جاتا ہے اور شقاوت اور سوءِ قضا حسنِ قضا سے بدل جاتی ہے، میں تو یہ کہتا ہوں تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اس انداز سے فرمایا کہ بے وقوف سے بے وقوف انسان بھی سمجھ جائے۔ فرماتے ہیں اے خدا! اپنی قضا اور فیصلے کو بدلنا آپ کے لئے کیا مشکل ہے کیونکہ آپ کی قضا اور آپ کے فیصلے آپ پر حاکم نہیں ہوسکتے، آپ کے محکوم ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے آپ نے کوئی ایسی قضا لکھی ہو جو ہمارے لئے مضر ہو تو آپ اس سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے بدل دیجئے کیونکہ آپ اپنے فیصلے پر حاکم ہیں محکوم نہیں کہ فیصلہ کر کے آپ معطل ہوگئے کہ اب نعوذ باللہ! کچھ نہیں ہوسکتا۔ اب جانِ جلال الدین رومی کی دعا سنئے، کیا دعا کرتے ہیں! مولانا رومی کو اللہ نے زبان بھی کیا غضب کی عطا فرمائی تھی، فرماتے ہیں ؎

بگذراں از جانِ ما سوء القضا

وامبر مارا زِ اخوانِ الصفا

اے خدا! جلال الدین کی جان سے، ہماری جان سے جتنے سوءِ قضا ہیں، جتنے برے فیصلے ہیں، ہمیں اگر آپ نے جہنم میں بھی داخل کرنا ہے تو اس سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے بدل دیجئے، میری جہنمیت کو آپ جنتی ہونے سے تبدیل فرما دیجئے۔ اگر دعا سے اللہ کا فیصلہ نہ بدلتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیوں سکھاتے؟

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْکِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَاءِ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)؛ کتاب القدر، باب من تعوذ باللہ، ج ۲ ص ۹۷۹)

اس حدیثِ پاک میں سوءِ قضا سے پناہ کیوں سکھائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ دعا امت کو تعلیم فرمانا دلیل ہے کہ سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں، کوئی اور ان کے فیصلہ کو نہیں بدل سکتا لیکن وہ خود جب چاہیں اپنے فیصلہ کو بدل سکتے ہیں۔

اللہ والوں کی محبت خوش نصیبوں کو ملتی ہے

ارے بھئی! میں تو یہ کہتا ہوں کہ آخرت بنانے کا جو سہارا ملے کسی سہارے کو ہاتھ سے نہ جانے دو کیونکہ بڑا گاڑھا دن آنے والا ہے۔ اگر کوئی ہمیں کہتا ہے کہ اللہ والوں کی جوتیاں اٹھانے سے جنت مل جائے گی تو ہم تو ان کا پاخانہ اٹھانے کو تیار ہیں جوتیاں اٹھانا تو کیا چیز ہے۔ ہم انہیں دیکھیں گے بھی محبت سے کہ شاید ہمارا یہی عمل قبول ہو جائے۔

بس آخر میں یہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ وہ بہت بڑا خوش نصیب ہے جس کو کسی اللہ والے کی محبت نصیب ہو جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اور ولایت کا آغاز ہے۔ دیکھئے! امرود کا عاشق امرود والے کی آواز سے مست ہوتا ہے اور کباب کا عاشق کباب والے سے، کپڑے کا عاشق کپڑے والے سے، مٹھائی کا عاشق مٹھائی والے سے، اسی طرح کسی اللہ والے کی خبر سن کر وہی مست ہوتا ہے جس کو اللہ کی چوٹ لگی ہو۔

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

عظیم الشان منزل کا عظیم الشان رہبر

بس دوستو! کیا کہوں کہ اللہ والوں کی صحبت سے کیا ملتا ہے؟ یہ بتاؤ کہ اللہ قیمتی ہے یا نہیں؟ اس سے بڑھ کر دونوں جہان میں کوئی چیز قیمتی ہو سکتی ہے؟

تو جب اللہ سب سے قیمتی ہے تو اس کا راستہ کتنا قیمتی ہوگا؟ اور پھر جب راستہ قیمتی ہے تو اس کا راستہ دکھانے والا کتنا قیمتی ہوگا جس کو پیر اور مرشد کہتے ہیں، اس کی قدر بھی کم لوگ جانتے ہیں۔شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک گاؤں میں ایک شخص گیا،اس نے کہا ارے بھیّا! ہلدی کا کیا بھاؤ ہے؟ اب ذرا پوربی زبان سنئے،تو ایک بڈھا نکلا اس نے کہا ہلدی کا کوئی بھاؤ نہیں ہاوت، ارے جتنا چوٹ پرائے۔جتنی چوٹ ہوتی ہے ہلدی کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے،تو اللہ کی محبت کی چوٹ جس کو جتنی زیادہ ہوتی ہے وہی اللہ والوں پر فدا ہونا جانتا ہے، ان پر یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ عظیم الشان منزل کا راہبر بھی عظیم الشان ہوتا ہے اور وہ راہ بھی عظیم الشان ہوتی ہے۔

اہل اللہ کی صحبت کا ایک انعامِ عظیم

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی اللہ والے سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور بالخصوص جہاں کوئی خونی رشتہ بھی نہ ہو اور نہ وہاں مال ملنے کی توقع ہو، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں بیٹھنا ہو اس کا ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسی مجلسوں میں اللہ تعالیٰ کی شانِ اجتباء یعنی شانِ جذب کا ظہور ہوتا ہے جس سے بندہ جلد اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقبول بن جاتا ہے، جیسا کہ روایت ہے:

((اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَہٗ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ نَفْحَۃٌ مِّنْھَا فَلَا تَشْقَوْنَ بَعْدَھَا اَبَدًا))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ، ج ۷، ص ۳۱۷، رقم الحدیث ۲۱۳۲۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کائنات کے دن ورات میں خاص رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں، ان کو تلاش کرو اگر تم ان کو پاجاؤ گے تو کبھی بد بخت نہ ہو گے۔ اس کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اِنَّ ھٰذِہِ النِّعْمَۃَ لَمْ تَحْصُلْ لِکُلِّ اَحَدٍ وَّلَا تُوْجَدُ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ لِاَنَّھَا تَتَوَقَّفُ عَلٰی جَذْبَۃٍ مِّنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ (اَیْ نَفَحَاتِ الْحَقِّ) تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ فَالتَّحَابُبُ سَبَبُ التَّجَاذُبِ))

(مرقاۃ المفاتیح : (رشیدیہ)، باب الحب فی اللہ و من اللہ، ج ۹ص ۲۱۸ ، رقم الحدیث ۵۰۱۲)

اللہ والوں کی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی اس شانِ جذب کا ظہور ہوتا ہے جو اس آیت اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف جذب کرکے اپنا بنالیتے ہیں ؎

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

یہ نعمتِ جذب ہر ایک کو نہیں ملتی اور نہ ہر وقت ملتی ہے۔اس کے لئے اشخاص خاص ہوتے ہیں اور اوقات بھی خاص ہوتے ہیں ؎

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

اہل اللہ کی مجلس میں آنے والوں کا مجمع اکثر اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، اس لئے شانِ جذبِ حق کا ظہور بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے پس ان کی مجلسوں کی برکت سے انسان جلد اللہ والا بن جاتا ہے۔

اللہ والے قیامت تک آتے رہیں گے

شیطان ایک وسوسہ یہ بھی ڈالتا ہے کہ صاحب! وہ زمانے گئے، بڑے بڑے اولیاء اللہ تو قبروں میں پہنچ گئے، آج کل کے جو پیر ہیں وہ سب پھس پھسے ہیں، کنڈم نا قابل ریفرنڈم ہیں۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں کوئی جسمانی بیماری لگ جاتی ہے تو کیا تم حکیم اجمل خاں مرحوم کا انتظار کرتے ہو کہ دہلی کے قبرستان سے آئیں تب میں علاج کرواؤں گا،

آج کل پِھس پِھسے ڈاکٹروں، حکیموں سے علاج کرانا میری عزت کے خلاف ہے۔ وہاں تو فوراً کہتے ہو، ارے بھئی! بڑا حکیم بعد میں آئے گا تم جلدی سے کوئی جوشاندہ، کوئی انجکشن بتاؤ، تو حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو موجودہ پیر، سچے شریعت اور سنت کے مطابق اور بزرگوں کے صحبت یافتہ، تربیت یافتہ ہیں یعنی مربہ بنے ہیں، ایسا نہیں کہ خود مربہ نہیں بنے اور مربی بننے کا شوق رکھتے ہوں، پہلے اپنی تربیت کرائیں، تو ان کی صحبت میں رہو۔

ایک ولی دنیا سے جاتا ہے تو ہزاروں کو ولی بنا کر جاتا ہے

یاد رکھو! اولیاء اللہ کا پیدا کرنا قیامت تک اللہ کے ذمہ ہے تاکہ ان کی صحبتوں میں ہم رہ سکیں، دلیل کیا ہے؟ اس کی دلیل بھی یہی آیت ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ قرآن جو حکم دے رہا ہے، یہ قیامت تک کے لئے نازل ہوا ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ رہو، اہلِ تقویٰ کے ساتھ رہو، تو اگر اللہ تعالیٰ اہل اللہ کو پیدا نہ کریں گے تو اس آیت پر عمل کیسے ہوگا؟ بتائیے! کسی کا باپ کہے اے بچو! آدھا کلو روزانہ بھینس کا اصلی دودھ پیا کرو اور دودھ کا انتظام نہیں کرتا تو سب کہیں گے کہ کیسا ظالم باپ ہے، نہ بھینس ہے نہ دودھ ہے اور روزانہ حکم دے رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہیں، جب وہ زمین والوں کو حکم دے رہے ہیں کہ اہل اللہ کے ساتھ رہو تو کیا دنیا سے اولیاء اللہ کو اٹھالیں گے؟ اس لئے جو یہ کہے کہ آج کل نیک لوگ ہیں کہاں؟ سب چارسوبیس فراڈی ہیں، ایسا شخص قرآنِ پاک کا منکر ہے، منحرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ اے ایمان والو! تقویٰ والوں اور اولیاء اللہ کے ساتھ رہو تو اللہ کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے کلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے روئے زمین پر ہمیشہ اولیاء اللہ پیدا کرتا رہے گا چنانچہ جب ایک ولی اللہ دنیا سے جاتا ہے تو ہزاروں ولی اللہ بنا کر جاتا ہے ورنہ آج دنیا میں اولیاء اللہ کا بیج بھی نہ ہوتا۔

دینی طالب علم کے کرنے کے تین کام

طالبِ علم بھی اگر تین کام کرلے، (۱) مجاہدہ یعنی گناہ چھوڑنے کا غم اٹھائے، (۲) شیخ کا بتایا ہوا ذکر کرے اور (۳) بزرگوں کی صحبت میں رہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ پاک اس کے علم میں برکت ڈال دیں گے، کیونکہ عالمِ ظاہر اور عالمِ باطن کے علم کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عالمِ ظاہر کتنا ہی کتب بینی کرلے لیکن اس کا علم ایسا ہے جیسے حوض میں کسی ٹینکر سے پانی بھروادیا، یہ حوض خشک ہوسکتا ہے اور علمائے باطن، اللہ اللہ کرنے والوں کا علم ایسا ہوتا ہے کہ جیسے اسی حوض کو کھودتے کھودتے سوتے سے پانی نکل آیا۔ تو اللہ والوں کی صحبت سے اللہ کے نام کے صدقہ میں ہمارا علم اللہ کے علم سے متصل ہوجاتا ہے، ہمارے قطرۂ علم کو اللہ تعالیٰ اپنے غیر محدود علم سے رابطہ عطا کردیتے ہیں۔

علم کی برکت کی مثال

میرے شیخ نے اسی پھولپور میں اسی کمرے میں جو حضرت کا خاص کمرہ تھا، مثنوی مولانا روم کے ایک شعر پر ایک گھنٹہ تقریر کی تھی، وہ شعر یہ تھا ؎

خم کہ از دریا درو راہے شود
پیشِ او جیحونہا زانو زند

جس مٹکے کا سمندر سے تعلق ہوجائے، شیخ نے فرمایا کہ فارسی میں کبھی دریا بہ معنی سمندر ہوتا ہے، یہاں بھی سمندر مراد ہے، تو جس مٹکے کا سمندر سے خفیہ رابطہ ہو تو بڑے بڑے دریا، دجلہ، فرات، نیل اس مٹکے کے سامنے شاگرد بن جائیں گے کیونکہ ان دریاؤں کا پانی خشک ہوسکتا ہے مگر اس مٹکے کا پانی خشک نہیں ہوسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے نام کے صدقہ میں اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے اس کے قطرۂ علم کو اپنے غیر محدود سمندرِ علم سے رابطہ کروادیتے ہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے

اس کے لئے دعا بھی مانگی ۔

قطرۂ علمے کہ دادی تو ز پیش
متصل گرداں بہ دریا ہائے خویش

اے خدا! جو ایک قطرہ علم کا آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے اپنے دریائے غیر محدود علم سے اس کو اتّصال عطا فرما دیجئے ۔

قیامِ پاکستان سے قبل دیکھے گئے ایک خواب کی تعبیر

تو دیکھئے! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس مدرسے میں میں نے تعلیم حاصل کی، طالب علمی کی، آج اس مدرسے میں میں اپنے طلباء کرام، اساتذہ کرام اور استاذ محترم کی موجودگی میں تقریر کر رہا ہوں اور یہ میرے ایک خواب کی آج تعبیر ہوگئی ۔ پاکستان جانے سے پہلے میں نے ہندوستان ہی میں بارہا خواب میں دیکھا تھا کہ میں تقریر کر رہا ہوں اور میرے استاذِ محترم اور بہت سے اکابر بیٹھے ہیں، آج اس کی تعبیر ہوگئی ۔ میں اس زمانے میں ہنستا تھا کہ واہ! خواب تو تُو اچھے اچھے دیکھ رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج یہاں شیخ کی خانقاہ، شیخ کے مدرسہ اور شیخ کی مسجد میں مجھے اپنے پیارے شیخ کی باتیں عرض کرنے کی اللہ تعالیٰ توفیق دے رہا ہے، یہ میرے استاذِ محترم کی اور ہمارے شیخ کی دعائیں ہیں ۔

اختر کو جو کچھ ملا شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا صدقہ ہے

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! شیخ شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں کے صدقہ جو اپنی محبت کا درد آپ نے بلا استحقاق عطا فرمایا ہے، تمام عالم میں اس کے نشر کا غیب سے انتظام فرما دیں، آہ عطا فرمانے پر جب آپ قادر ہیں تو نشرِ آہ کے اسباب بھی آپ کے اختیار میں ہیں ۔ ایک عطائے آہ ہے کہ

آپ اپنے بندوں کو آہ عطا فرمادیں، پھر ان کی آہ کو عالم میں نشر کرنے کے اسباب بھی آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر کوئی مالدار آدمی اپنا مال اللہ کے دین میں لگاتا ہے، مسجد مدرسہ میں لگاتا ہے تو وہ ہمارے اوپر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر احسان کرتا ہے۔ کسی امیر کو میں اس معاملے میں خاطر میں نہیں لاتا، وہ امیر احسان سمجھے میرا کہ جس کو میں دین کے کسی کام میں اپنا حصہ لگانے کا مشورہ دے دوں، وہ تو میرا شکریہ ادا کرے کہ میں اس کی کرنسی بغیر کمیشن کے آخرت میں ٹرانسفر کر رہا ہوں، وہاں ایک کا دس لے لے گا، جب آخرت کے وطن میں پہنچے گا تب میرا شکریہ ادا کرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہر ایک سے میں کہتا بھی نہیں ہوں، میں نے ایک دفعہ کراچی میں اپنی خانقاہ میں بیان کیا کہ بعض بے وقوف لوگ پیری مریدی کو چکر سمجھتے ہیں تو میں بھی ان کے چکر میں نہیں پڑتا، یقین جانئے کہ کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو نہ ہنسا ہو کیونکہ ہم نے پیری مریدی کے ہی راستے سے سب کچھ پایا ہے تو جو اسے چکر سمجھتے ہیں ہمیں بھی ان کے چکر نہیں لگانے، ہمارے چکر لگانے والے بہت سے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اگر دیوانہ صحیح معنیٰ میں اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو ؎

خلق پسِ دیوانہ و دیوانہ بہ کارے

تو ایک مخلوق ضرور اس کے پیچھے پیچھے ہوگی اور دیوانہ اپنے کام میں یعنی اللہ کی یاد میں لگا ہوگا مگر اخلاص ہو، صحیح سمت ہو۔ میرے استاذِ محترم مولانا عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم نے ابھی فرمایا کہ اختر! تجھ کو جو دولت ملی ہے شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت رنگ لائی ہے۔ اللہ والوں کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی، اسی لئے ایک شاعر کہتا ہے، میرا شعر نہیں ہے ؎

چاند تارے مرے قدموں میں بچھے جاتے ہیں

یہ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت نصیب فرمائے، ایک دن کفن لپیٹ کر قبر میں اترنا ہے، ساری جاہ اور ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ اے اللہ! آپ ہماری غلامی اور بندگی کی نوک و پلک کو درست فرما دیجئے کہ جب ہم میدانِ محشر میں حاضر ہوں تو سر سے پیر تک آپ ہم سے راضی اور خوش ہو جائیں۔ اے اللہ! اللہ والوں کی زندگی ہم سب کو نصیب فرما، نفس و شیطان کی غلامی سے نکال کر سو فیصد اپنی فرمانبرداری کی حیات نصیب فرما، اپنے مقبولین کی محبت نصیب فرما، اے اللہ تعالیٰ! ہم سب کو سو فیصد صاحبِ نسبت، صاحبِ ولایت بنا دے اور ولایت بھی ولایتِ علیا، نسبتِ علیا عطا فرما دے، مرتے دم تک فالج، لقوہ، جملہ سئی الاسقام سے حفاظت فرما، سلامتی اعضاء سلامتی ایمان کے ساتھ ہمیں زندگی نصیب فرمایئے، سلامتی اعضاء سلامتی ایمان سے دنیا سے اٹھایئے، اے اللہ! حسنِ خاتمہ مقدر فرما دے اور میدانِ محشر میں بے حساب مغفرت نصیب فرما کر جنت میں اللہ تعالیٰ اسی طرح اکٹھے فرما جس طرح آج ہمارے استاذِ محترم، طلباء کرام اساتذہ کرام یہاں جمع ہیں۔ اے اللہ ان کی برکتوں سے میری ان گزارشات اور معروضات کو شرفِ قبولیت عطا فرما اور ہم جو آپ سے نہیں مانگ سکے کیونکہ اب تھک گیا تو ہمارے بزرگوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ جب تھک جاؤ تو اس انداز سے اللہ سے مانگو کہ اے خدا! ہم اب مانگتے مانگتے تھک گئے، اب آپ بے مانگے سب کچھ عطا فرما دیجئے کیونکہ ابّا اپنے تقاضائے شفقت سے بچوں کو بے مانگے بھی تو دیا کرتا ہے لہٰذا آپ کے تقاضائے رحمت سے اختر یہ سوال کرتا ہے کہ آپ بے مانگے دونوں جہان کی نعمتیں ہم سب پر برسا دیجئے کیونکہ آپ کے سارے خزانے، ساری نعمتیں ہمارے لئے ہی ہیں، ہم اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ہیں اور آپ ہمارے مالک، داتا، دینے والے ہیں، آپ کی شان یہ ہے لَا یَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَہٗ اپنے

خزانے سے آپ خوفِ نفاد نہیں رکھتے، اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا آپ کو کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔

اے اللہ! بیت العلوم کو قبول فرما، یہاں کے خدام اور اساتذۂ کرام کو قبول فرما، جو طلباء پڑھ رہے ہیں ان کو عالم، حافظ، اللہ والا، صاحبِ تقویٰ، صاحبِ ولایت، صاحبِ نسبت بنادے، کسی ایک کو بھی محروم نہ فرما۔ یا اللہ! یہ وہ مدرسہ ہے کہ آپ کے عبدِ حقیر اختر نے اس مدرسے سے علمی فیض حاصل کیا، شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہر جمعرات کو میں یہیں سے جایا کرتا تھا، بستر گدا، رضائی سر پہ رکھ کر پانچ میل پیدل ہر جمعرات کو الحمدللہ جاتا تھا اور جمعہ کو اپنے شیخ کی تقریر سن کر پھر آجاتا تھا، آج میرے اساتذہ مجھے دیکھ کر الحمدللہ خوش ہورہے ہیں، میری تصانیف کو دیکھ کر انہیں خوشی محسوس ہورہی ہے کہ بیت العلوم کے ایک ادنیٰ شاگرد سے اللہ تعالیٰ نے تصنیف کا کام لیا اور آج اس مجمع سے مخاطِب ہوں، مگر کوئی ہماری قیمت نہیں ہے، قیمت کب ہوگی؟ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں ہم سب سے راضی ہوجائے تب سمجھو کہ قیمت ہے، قیمت غلاموں سے نہیں لگتی، غلام کی قیمت مالک لگاتا ہے، غلاموں کی واہ واہ سے کیا ہوتا ہے؟ اس لئے ہمارے استاذِ محترم نے بھی فرمایا کہ خبردار! خود کو نہ دیکھنا، عجب و کبر سے ہشیار رہنا، یہ استاذ کی شفقت ہے۔ اے اللہ! یہ مدرسہ میرا محسن ہے، اگر اس مدرسے نے ہمیں ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا فَھُوَ ضَارِبٌ نہ سکھایا ہوتا، صرف ونحو نہ سکھائی ہوتی تو آج یہ میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر روح المعانی اور بخاری کی شرح فتح الباری کیسے دیکھتا؟ انہی حضرات کی

محنت سے آج یہ دن اللہ نے دکھایا، اس لئے میں بیت العلوم کے لئے، اساتذہ کرام کے لئے اور استاذِ محترم دامت برکاتہم کے لئے روزانہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میرے جملہ اساتذہ، میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اوران کی اولاد پر خصوصی رحمت نازل فرما بلکہ شہر پھولپور پر رحمت نازل فرما اوراس مدرسے بیت العلوم، اس کے خدام، اس کے اساتذہ کرام اور جن لوگوں نے مجھے دو حرف پڑھائے ہیں اے خدا! ان پر رحمتیں نازل فرما اور ان کی اولاد پر بھی رحمتیں نازل فرما اور اس مدرسے کو قیامت تک کے لئے قبول فرما، جو یہاں پڑھیں میرے شیخ کی برکت سے سب صاحبِ نسبت ہو جائیں، اوراس کو فساد بری نظر سے بچا، یہاں ہمیشہ اتحاد اور اتفاق پیدا فرما، اختلاف سے بچا اور دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمادے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ







حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار برائے صحبتِ مرشد و حُبِّ شیخ

غرض اتنی ہے بس پیرِ مغاں کے جام و مینا سے
کہ ہم مالک کو اپنے دیکھ لیتے قلبِ بینا سے
جو ناداں ہیں وہ اہل اللہ کی عظمت کو کیا جانیں
کوئی دیکھے مقامِ اہلِ دل کو چشمِ بینا سے

بدوں صحبتِ مرشد تجھے کیسے شفا ہوگی
نہیں جب شیخِ اوّل جستجو کر شیخِ ثانی کی
ہمارے پھول پھل جو دیکھتے ہو دیکھنے والو
ہمارے شیخ نے اخترؔ کے دل میں باغبانی کی

اسے تقویٰ کا اور نسبت کا پھل ملنا یقینی ہے
کہ جس کے باغِ دل میں اہلِ دل سے باغبانی ہو

ترا فیض ہے صحبتِ شیخِ کامل
ہوا سب کا دل دردِ نسبت کا حامل
نہیں کوئی رہبر ہے راہِ جنوں کا
مگر سایۂ رہبرِ شیخِ کامل

منور کردے یارب مجھ کو تقویٰ کے معالم سے
ترے در تک جو پہنچا دے ملا دے ایسے عالم سے
کتب خانے تو ہیں اخترؔ بہت آفاقِ عالم میں
جو ہو اللہ کا عالم ملو تم ایسے عالم سے

جو اہلِ دل کے جوتوں سے لگے ہیں خاک کے ذرّے
شرف حاصل ہے ان کو موتیوں پر تاج شاہوں کے

جلوؤں سے ترے سب مری نظروں سے گر گئے
انجم ہو یا قمر ہو کہ خورشیدِ کائنات
تاجوں کے موتیوں سے بھی افضل ہیں دوستو
جوتوں میں اہلِ دل کے جو ہیں خاک کے ذرّات

کوئی پاتا نہیں منزل بدون رہبرِ منزل
اگرچہ راہرو کردے تلف کوشش میں اپنی جاں
کسی بھی مرشدِ صادق پہ جو مرتا ہے اے اخترؔ
یقیناً شوق سے پاتا ہے اک دن منزلِ جاناں

ملا کرتی ہے نسبت اہلِ نسبت ہی سے اے اخترؔ
زباں سے ان کی ملتا ہے بیانِ دُرفشاں مجھ کو

اخلاص سے جو رہتا ہے پیرِ مغاں کے ساتھ
رہ کر زمیں پہ رہتا ہے وہ آسماں کے ساتھ
اخترؔ وہ باخدا کبھی ہوجائے گا ضرور
رہتا ہے روز و شب جو کسی باخدا کے ساتھ

دلیلِ کامیابی ہے تلاشِ مرشدِ منزل
کہ بے رہبر ہی منزل سے سدا محروم رہتا ہے
بہ فیضِ مرشدِ کامل جو دردِ دل ہوا حاصل
تو دل پر جلسۂ قربِ محبت ہوتا رہتا ہے

مجھے تو اخترؔ سکونِ دل گر ملا تو بس اہلِ دل کے در پر
تو ان کے در کو میں اپنا مسکن صمیمِ دل سے نہ کیوں بناؤں

اللہ والوں کی چند روزہ صحبت کا فائدہ

اللہ کی نافرمانی سے دل بہلانے والو! سنو، کسی غلام کو حق نہیں پہنچتا کہ ہمارا جو مالک ہمیں کھلائے پلائے، جس نے زمین اور آسمان عطا فرمائے، سورج اور چاند دیا، آکسیجن عطا فرمائی، پیدا کرنے والے ایسے مالک کو ایسے محسن کو ناراض کرنے کا کسی بندہ کو حق نہیں پہنچتا۔ جبکہ مر کے انہی کے پاس جانا بھی ہے، اگر قبروں میں ویڈیو لے جا سکو، ٹیلی ویژن لے جا سکو، ایئر کنڈیشن لے جا سکو، تو ہم بھی آپ کو اجازت دینے کے لئے تیار ہیں لیکن یہ تمہارا ٹیلی ویژن قبروں میں کام نہیں آسکتا۔ میرے دوستو! پردیس میں آئے ہو، امتحان روم میں ہو، اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے پیدا ہوئے ہو، ذرا ہوش کی دوا کرو، ان شاء اللہ چند دن اللہ والوں کی صحبت اختیار کرلو، چند دن کسی بھنگی کو خوشبو کے ماحول میں رکھا جائے، پھر وہ پاخانے کے کنستر کو نہیں اٹھا سکتا، اسے قے ہوجائے گی۔ چند دن اللہ والوں کی صحبت میں رہ لو، پھر یہ ناچ گانا اور ویڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام ایسے معلوم ہوں گے جیسے پاخانے میں بیٹھا ہوا ہے، پھر سینما میں نہیں جا سکتا، ہر نافرمانی اس کو پاخانہ معلوم ہوگی۔ چند دن کی صحبت اللہ والوں کی اُٹھا کے اپنی زندگی کو صحیح معنوں میں اللہ والی زندگی بنا لو، ایک دن ایسا آئے گا کہ ہم لوگ قبروں میں دفن ہوجائیں گے اور ہر شخص کو بزبانِ حال کہنا پڑے گا ۔

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ\
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

مواعظ اختر نمبر ۳۶ (پردہ۔عورت کی عزت کا ضامن) ص ۴۸ سے اقتباس

شیخ العرب والعجم\
عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۂ تالیفاتِ اختریہ\
hazratmeersahib.com